وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ قَالُوا إِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُونَ ۝ أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُونَ وَلَٰكِن لَّا يَشْعُرُونَ ۝

اور جب کہئے ان کو فساد نہ ڈالو ملک میں کہیں ہمارا کام تو سنوارنا ہے۔ سن رکھو وہی ہیں بگاڑنے والے پر نہیں سمجھتے

گو فکر خداداد سے روشن ہے زمانہ
آزادیٔ افکار ہے ابلیس کی ایجاد

تحریکِ مودودی
کا
پسِ منظر

جس میں مودودی صاحب کے خیالات کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے تحریک مودودی کے دینی رخ، سیاسی رخ اور سلامتیٔ پاکستان کے متعلق تبصرہ کیا گیا ہے

مؤلفہ
جناب مولینا ابوالمظفر نذر۔ صدر مجلس تحفظ اسلام

شائع کردہ
شعبۂ نشر و اشاعت مجلسِ تحفظِ اسلام۔ کراچی (پاکستان)
قیمت ۲ روپے

(ایجوکیشنل پریس کراچی)

مندرجات

ہر چیز کی انتہا، ہر عمل کا ردّ عمل، یہ ایک ایسا قانون ہے۔ جو دنیا کی ہر چیز اور حیاتِ انسانی کے ہر شعبے میں جاری ہے۔ دنیا میں جتنے واقعات کا ظہور ہوتا ہے۔ بظاہر ہر واقعہ تنہا اور منفرد معلوم ہوتا ہے۔ لیکن درحقیقت ہر نیا واقعہ سلسلۂ واقعات کی آخری کڑی ہوتا ہے۔ اور ان واقعات میں علت و معلول کا غیر محسوس اور معنوی تعلق موجود ہوتا ہے مثلاً کسی آبادی میں وبا پھوٹتی اور پھیلتی ہے، تو وہ یک لخت اور ناگہاں زمین سے نہیں ابل پڑتی، بلکہ اس کے اسباب مدتوں پہلے اس زمین میں پرورش پا رہے ہوتے ہیں۔ اور وباء کا ظہور ان کا طبعی نتیجہ ہوتا ہے، جب پت جھڑ کے موسم میں ہرے بھرے درختوں کی شاخیں اپنے سبز لباس سے محروم ہو جاتی ہیں، سبزہ و گل کی بہار لٹ جاتی ہے، اور باغ و چمن کا حسنِ دلفریب آناً فاناً مرجھا جاتا ہے، تو یہ محض اتفاقی حادثہ نہیں ہوتا، بلکہ یہ قدرتی اور

طبعی نتیجہ ہوتا ہے موسمی تغیرات کا،

دور جانے کی ضرورت نہیں، خود انسان کی زندگی کے مختلف مراحل پر نگاہ ڈالئے، ابتداء میں وہ نہایت نحیف اور ننھا سا وجود لے کر آتا ہے، اور پھر بتدریج قوت و تنومندی اور نشوو کمال کی طرف حرکت کرتا رہتا ہے، لیکن جوں ہی وہ کمالِ وجود کی آخری منزل کو پہنچتا ہے، تو غیر محسوس طریقہ سے اس میں ضعف و اضمحلال کے آثار پیدا ہونے لگتے ہیں، یہ تغیرات جوہر انسانی جسم پر طاری ہوتے ہیں از خود نہیں پیدا ہو جاتے۔ بلکہ ان کا تعلق جسم کے ایک داخلی نظام سے ہے۔ اور فطرت کے اس مخفی نظام میں ہر لحہ نشو و ارتقاء اور ضعف و تنزل کی قوتیں کار فرما رہتی ہیں۔ اور یہ بھی فطرۃ اللہ کا قطعی فیصلہ ہے کہ دنیا کی کوئی چیز اپنے مرکزِ وجود کے سوا ثبات و قرار نہیں پا سکتی، ہم روزمرہ اس بات کا مشاہدہ کرتے ہیں کہ جو چیز اپنے مرکز سے کٹ جاتی ہے، وہ یا تو بالکل فنا ہو جاتی ہے اور یا اپنی ہستی کی حقیقی قدر و قیمت کھو بیٹھتی ہے۔ اور اس کا جوہرِ حیات پژمردہ اور بے رونق ہو جاتا ہے۔

گذشتہ چند سالوں سے مودودی صاحب اور اُن کے رفقاء نے محض عقل و دانش کی مدد سے زندگی کے مسائل کو حل کرنا چاہا ہے۔ اور آج بھی قومی حیثیت سے وہ ایسی ہلاکت آفریں راہ پر گامزن ہیں، لیکن ہمارا ایمان ہے کہ جوں جوں وقت گذرتا جائے گا، ان کا احساسِ ناکامی قوی تر ہوتا جائے گا۔ اس لئے کہ انھوں نے انسانی مرض کی تشخیص جن طریقوں سے کی ہے۔ اور پھر جو علاج تجویز کیا ہے، وہ تشخیص ہی سراسر غلط تھی اور علاج اس سے بھی زیادہ غلط، جو منبع فساد تھا اس تک کسی کی نگاہ نہیں پہنچی

اور انھیں معلوم ہونا چاہیئے تھا کہ خدا کا قانون کبھی ٹوٹنے والا نہیں، اور اس کی سنۃ اللہ کبھی انسانوں کی بہتری کے لئے بدل نہ جائے گی۔ اس کا یہ قانون ہے کہ آگ جلاتی ہے اور زہر کھانے سے آدمی مر جاتا ہے۔ اور اسی طرح معصیت و غفلت ہلاکت لاتی ہے۔ اور خدا کی نافرمانیوں سے عذابوں، اور دردناکیوں کا ظہور ہوتا ہے۔ ہمیشہ ایسا ہی ہوا ہے اب بھی ایسا ہی ہو رہا ہے، اور آئندہ بھی ایسا ہی ہوگا۔ بہرحال عقل کا طریقِ کار تجرباتی ہے لیکن آپ سوچیئے کہ عقل کے ایک ناکام تجربہ میں انسانیت کو کسقدر تباہیوں سے گذرنا پڑتا ہے۔ آپ کہیں گے کہ آخر انسان کے پاس لے دے کے عقل ہی فیصلہ کا ذریعہ ہے، اس لئے اس کے فیصلوں سے جس قدر نقصانات پہنچتے ہیں انھیں برداشت کرنا پڑے گا۔ لیکن مذہب کہتا ہے۔ کہ خدا تعالیٰ نے انسان کو اس طرح بے بس نہیں چھوڑا، اس نے جس طرح انسان کو زندگی اور شعور عطا فرمایا ہے۔ اسی طرح زندگی کے نہ بدلنے والے تقاضوں کے حل کے لئے غیر متبدل اصول و قوانین بھی دے ہیں۔ جسے وحی کہتے ہیں۔ وہ خواہ متلو ہو یا غیر متلو، اور یہ گویا انسان کی فطرت میں شامل ہے کہ وہ اپنے فکر و شعور کو بے ضرورت تبدیل کرتا رہتا ہے اور سیاسی اور دینی نصب العین کو اپنی طبیعت کی جدت آفرینی کا تختۂ مشق بناتا رہتا ہے۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ آج دنیا کے ہر حصہ میں ہنگامۂ قیامت گرم ہے۔ ایک شخص اپنے ملک اور اپنی قوم کے سامنے ایک نیا سیاسی پروگرام پیش کرتا ہے، پہلے پروگراموں میں بڑی ذہانت و دوررسی کے ساتھ ہزاروں عیب اور کیڑے ڈالتا ہے۔ اور اپنے پروگرام کے ایک ایک حصہ میں اتنی خوبیاں بیان کرتا ہے

کہ عام انسانی ذہن اسے سمیٹ لینے پر بھی قادر نہیں ہوسکتا۔ لیکن دوسرے ہی لمحہ میں
کوئی دوسرا شخص اس پروگرام کو بھی ناقص بتاتا اور اس کے ہر پہلو پر اعتراض کرتا ہے
ایجاد و ابتداع کا یہ شوق اس دور میں اس درجہ مسلّط ہوگیا ہے کہ مذہب پسند
قوموں میں بھی آئے دن ایسے افراد پیدا ہوتے رہتے ہیں جو اپنی لیڈری کا سکّہ منوانے
کے لئے مذہبی احکامات و مسلمات میں بھی تغیر و تبدل کی بنیاد رکھنا چاہتے ہیں، حالانکہ
کم از کم مذہب اسلام کے بنیادی عقائد سر مو کسی تغیر و تبدل کے محتاج نہیں۔ تقیہ
بالرائے جس کی تاریخ بہت پرانی ہے۔ جدت پسند طبائع کا ایک کارنامہ ہے۔ اور
یہ شوق اب تقاضہ کرتا ہے کہ حاملانِ دین اور قرآن و حدیث کی عظمت سے بھی انکار
کر دیا جائے، فقہ کو ہمارے دین میں جو مقام خصوصی حاصل ہے اس میں بھی کیڑے
ڈالے جائیں، تصوف کی ساری افادی حیثیت سے چشم پوشی کرکے اسے افیون اور
ذہنی اور جسمانی قوۃ کو معطل کر دینے کا ایک ذریعہ بتایا جائے۔ دین کے فروعی مسائل
میں اپنی ضرورتوں کے مطابق اجتہاد کیا جاسکتا ہے۔ بشرطیکہ اجتہاد کرنے والے
میں مجتہد کی پوری شان موجود ہو۔ مگر سرے سے حدیث کا انکار، فقہ کی بیخ کنی، اور
تصوف کے معروف طرق کی مخالفت اجتہاد نہیں بلکہ گمراہی ہے۔ اور اس گمراہی کے
ساتھ چاہے کتنے ہی دلائل کا پشتارہ ہو۔ اور چاہے اسے ادب و خطابت کے
کیسے ہی لباس میں پیش کیا جائے۔ بہر حال وہ گمراہی ہے۔ اگر ہم ظلمت کو نور
سیاہی کو سفیدی، جھوٹ کو سچائی، باطل کو حق، اور برائی کو بھلائی نہیں کہہ سکتے

تو اس جدت آفرینی کو بھی گمراہی و ضلالت کے سوا اور کچھ کہنے پر تیار نہیں ہوسکتے۔
سوال یہ ہے کہ اس زمانہ میں دین و مذہب میں تغیر کا جو ایک مذاق عام پیدا ہوگیا
ہے اور اس سلسلہ میں بیسیوں تحریکیں تحریر و تقریر کی طاقت سے انسان کے ذہن
میں تہ نشین ہوتی جاتی ہیں۔ آخر انہیں کس معیار پر جانچا جائے؟ کیسے یہ سمجھا جائے
کہ ان کی حقیقت ہمارے لئے قابلِ قبول ہے یا نہیں؟ اور ان کی روح، روحِ اسلام
سے کوئی مناسبت رکھتی ہے یا نہیں؟ اس کے جواب میں ہمیں لمبی چوڑی کسی تقریر کی
ضرورت نہیں۔ جو بات بہت کھلی ہو وہ بجائے خود بھی سہل ہوتی ہے۔ اور اس کا
سمجھا دینا آسان بھی ہوتا ہے۔ دین جن واسطوں سے ہم تک پہنچا ہے۔ وہ واسطے ہیں
اور ہم سے اوپر والی نسلوں کو باہم جوڑتے ہیں۔ جتنا تعلق ان کا ہم سے ہے اتنا ہی
ان طبقات سے بھی ہے۔ جن کی آغوش میں دین نے پرورش پائی ہے، جب ہم
درمیانی واسطوں کے متعلق علی وجہ البصیرۃ یہ سمجھتے ہیں۔ کہ یہ اپنے قول و کردار
میں سچے، اور اپنی دیانت و امانت میں قابلِ اعتبار ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ دینی
معاملات و مسائل میں ہم ان کے طریقہ کار اور اندازِ فکر سے فائدہ حاصل نہ کریں
اردو کی دو چار کتابیں پڑھنے اور دس بیس مضامین لکھ دینے سے دین کا فہم قابلِ
اعتبار نہیں ہوسکتا۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ دینی لٹریچر کے لاکھوں صفحات کے
گہرے مطالعہ کے ساتھ، علم کا صحیح مذاق بھی پیدا کیا جائے۔ اور بزرگوں کی صحبت اور
ان کے فیض سے سچے دین کا راستہ بھی پا لیا جائے۔ تب کہیں جا کر انسان اس

قابل ہوسکتا ہے۔ کہ اس کا دینی فہم دوسروں کو تقلید کی دعوت دے سکے۔ اور
جو لوگ آج اللہ کے فضل وکرم سے اس مقام پر فائز ہیں۔ ہمیں چاہیئے کہ ان نئی
نئی تحریکوں، تحریروں اور تقریروں کے متعلق ان کا خیال معلوم کریں۔ یہ لوگ جن
کی دیانت اور دینی عظمت ہر شک وشبہ سے بالا ہے۔ اس کا حق رکھتے ہیں کہ جس
چیز کو صحیح کہہ دیں اُسے ہم صحیح تسلیم کریں اور جسے محض جدّت، محض انشا پردازی
محض خطابت اور محض زورِ قلم بتائیں اسے جدّت، انشا پردازی، خطابت، اور
زورِ قلم سے زیادہ کوئی حیثیت نہ دیں۔ کیونکہ یہ ہدایت اور فطرتِ صحیحہ کے روحانی
ارتقاء کا ایک سلسلہ ہے۔ جس کا آخری درجہ مقام نبوۃ ہے۔ مگر اس کی ابتداء صلحائے
امت کے مرتبہ سے ہوتی ہے۔ وہ تمام نفوس قدسیہ جن کو خدا تعالیٰ ہدایت وارشاد
عالم کے لئے چن لیتا ہے۔ اگرچہ نبی نہیں ہوتے مگر اس زنجیر کی ایک کڑی ہوتے
ہیں جس کی آخری کڑی مرتبہ نبوۃ ورسالت ہے اللہ تعالیٰ ان کے دلوں کو فیضانِ نبوۃ
سے مستفیض ہونے کے لئے کھول دیتا ہے اور جس طرح آفتاب کی روشنی تمام
ستاروں کے اجسام کو روشن ومنور کر دیتی ہے۔ بالکل اسی طرح ان کے قلوب
آفتابِ نبوت کی ضیا پاشی سے انوار اندوز ہوکر چمک اٹھتے ہیں۔

اسلام میں جتنے ائمہ تلبیس گزرے ہیں ان کے سوانح حیات کا مطالعہ
کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ بڑے بڑے اصحابِ طنطنہ وشہرت، اپنی دسیسہ
کاریوں کو بروئے عمل لانے کے لئے اپنے حلقوں اور مجامع تعلیم میں کتب فقہ

کے ابواب وقضایا وولایت کے نکات ودقائق حل کرتے رہتے ہیں۔ اور کم عقل
لوگوں نے ان اجساد بے روح، وقشور بے مغز کی پرستش کی ہے۔ لیکن تاریخ
شاہد ہے کہ اس راہ پر چلنے والے قرآن کریم کی نظر میں سب سے زیادہ زیاں کار
ہیں کہ انھوں نے چند روزہ عارضی عیش ومسرت کے لئے عیش ودوام اور زندگی
کی حقیقی مسرتوں کو پس پشت ڈال دیا، اور ان کے فکر وعمل کی کج ادائیوں کا نتیجہ
یہ ہے کہ ان کی ہر کوشش رائیگاں اور ہر عمل ضائع جاتا ہے۔

قل هل ننبئكم بالاخسرين اعمالاً	اے نبی! آپ ان لوگوں سے کہہ دیں
الذين ضل سعيهم فی الحیوٰة الدنيا	کہ کیا ہم تم کو سب سے زیادہ زیاں کار
وهم يحسبون انهم يحسنون صنعا	لوگوں کا حال بتائیں؟ یہ وہ لوگ ہیں
اولئك الذين كفروا بايات ربهم	جن کی کوششیں صرف دنیاوی زندگی
ولقائه فحبطت اعمالهم فلا نقيم لهم	میں گم ہوگئی ہیں، اور وہ یہ خیال کرتے
يوم القيامة وزناً (الكهف)	ہیں کہ ہم بہت اچھا کام کر رہے ہیں

یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے اپنے رب کی آیتوں اور اس کی ملاقات کا انکار کیا، پس
ان کے اعمال ضائع ہوگئے، پس ہم قائم نہ کریں گے قیامت کے دن ان کے اعمال کا
کوئی وزن۔

متذکرہ توضیحات سے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ ہمارے زمانہ کے عمرانی
اور تمدنی مفاسد کی اصل بنیاد یہ ہے کہ سلسلۂ زندگی کے مرکزی حلقہ کے فقدان

وعلم سے اس کے تمام حلقے اپنی اپنی جگہ پراگندہ ہو گئے ہیں۔ اور پراگندگی کا باعث
خود رائی و تجدد پسندی ہے۔ اس مرکز گریزی اور "تو زمانہ بساز" کی پالیسی کا ادنیٰ
کرشمہ ہے کہ تحریکِ مودودی سے نہ صرف شریعت کے مسخ ہو جانے کا خطرہ درپیش
ہے بلکہ پوری عمارتِ اسلام ہی کے منہدم ہو جانے کا امکان پیدا ہو گیا ہے۔ اور
یہ اپنے ناپاک ارادوں کی تکمیل کے لئے قوم کے بدن میں ایسے جرثومے داخل کر رہی
ہے جن سے متاثر ہو کر انسان حقیقی زندگی کے اقدار اور انسانیت گیر اصولِ
حیات کا اذعان و یقین ہی کھو دے۔ اور الحاد و زندقہ کے انجکشن کچھ ایسی
ہوشیاری سے دئے جا رہے ہیں جن کی وجہ سے ایک سادہ لوح مسلمان چند
دن بعد خود بخود شریعت حقہ، اتباع سلف سے منحرف، دل برداشتہ اور برگشتہ
ہو جاتا ہے۔ اور "تحریک" کے خلافِ فطرت، رحجانِ عمل اور شیرازۂ زندگی کو پارہ
پارہ کر دینے والی سعی و کوشش کی وجہ سے ملک و ملت کے لئے شدید خطرہ درپیش
ہے۔ اندریں حالات واجب تھا کہ اپنی بساط و ہمت کے مطابق "تحریک" سے متعلق
جو کچھ ہم نے پایا اور سمجھا ہے۔ وہ عوام، بہی خواہانِ قوم و ملت کے سامنے رکھ دیں
ان اوراق میں ہم نے تحریکِ مودودی کے تین پہلو بیان کئے ہیں :۔
۱۔ دینی رخ۔ ۲۔ سیاسی رخ۔ ۳۔ اور سلامتیٔ پاکستان۔ اور مقدور
بھر کوشش کی ہے کہ ہر سہ پہلو پوری طرح روشنی میں آجائیں۔
آخر میں ہم التماس کریں گے کہ اگر آپ پُرامن اور بے ضرر نظام معاشرت

کے لئے بے قرار اور اس قسم کی معاشی و مذہبی منصوبہ بندی چاہتے ہیں جس سے
آئے دن کے طبقاتی اختلافات مٹ جائیں اور آپس میں رواداری و بھائی بندی
کا دور دورہ ہو تو یہ جملہ امور آپ کو پیغمبرِ اسلام اور سلف صالحین کے اتباع ہی
سے حاصل ہو سکیں گے، ؎

مقامِ خویش اگر خواہی دریں دَیر   بحق دل بند و راہ مصطفےٰ رو

الوالمظفر نذر عُفِرلہٗ

مختصر حالاتِ زندگی

جناب سید ابوالاعلیٰ مودودی ۲۵ ستمبر سنہ ۱۹۰۳ء کو ریاست حیدرآباد دکن میں بمقام اورنگ آباد پیدا ہوئے۔ والد ریاست میں ملازم تھے۔ اس لئے مودودی صاحب کا بچپن اورنگ آباد ہی میں گذرا۔ جب والد نے پنشن پائی تو کنبہ اپنے آبائی وطن دہلی میں جا مقیم ہوا۔ اس وقت مودودی صاحب کی عمر تیرہ، چودہ سال کی تھی۔

مودودی صاحب کی ابتدائی تعلیم گھر ہی پر ہوئی۔ بعد میں مدرسہ فوقانیہ میں داخل ہوئے۔ رسمی تعلیم کا سلسلہ زیادہ دیر تک جاری نہ رہ سکا۔ والد کی وفات پر یہ سلسلہ ختم ہو گیا۔ اس کے بعد آپ کی تعلیم غیر رسمی طور پر ہوئی۔ چھوٹی عمر میں ہی مودودی صاحب نے صحافت کا پیشہ اختیار

کر لیا۔ اور سیاست میں دلچسپی لینے لگے۔ سنہ ۱۹۱۹ء میں جب خلافت اور ستیہ گرہ کی تحریک کا آغاز ہوا تو اس میں بھی حصہ لیا۔ اور گاندھی جی کی سیرت پر ایک کتاب بھی لکھی۔ جو زیر طبع ہی تھی کہ ضبط ہو گئی۔ اس کے بعد سی پی میں جبل پور کے ایک اخبار کے ایڈیٹر ہو گئے۔ اور ساتھ ہی وہاں عملاً سیاسی کام بھی کیا۔ جبل پور میں خلافت کا آغاز اور وہاں کے مسلمانوں کو کانگریس کے ساتھ شریک کرنے والوں میں مودودی بھی تھے۔

سنہ ۱۹۲۴ء میں "الجمیعتہ" کے ایڈیٹر ہو گئے۔ اور سنہ ۱۹۲۹ء تک "الجمیعتہ" سے منسلک رہے۔ اس دوران میں الجہاد فی الاسلام کو کتاب کی صورت میں شایع کیا۔ "الجمیعتہ" سے علیحدہ ہو کر آپ دہلی چھوڑ کر حیدرآباد چلے گئے۔ جہاں ان کے بھائی سید ابوالخیر دارالترجمہ سے وابستہ تھے وہاں آپ نے "تاریخ حکومت آصفیہ" لکھی۔

سنہ ۱۹۳۳ء میں انہوں نے "ترجمان القران" کی ادارت شروع کی۔ ان دنوں یہ رسالہ مولوی ابو محمد مصلح کی عالمگیر تحریک قرآنی کا ترجمان تھا مودودی صاحب آٹھ سال تک حیدرآباد میں مقیم رہے۔

ان ہی دنوں مولانا نیاز علی نے پنجاب میں ضلع گورداسپور کی تحصیل پٹھان کوٹ کے قریب دارالاسلام قایم کیا۔ مودودی صاحب کو بھی وہاں کام کرنے کی دعوت ملی۔

۱۹۳۸ء میں حیدرآباد سے پٹھان کوٹ آگئے۔ ابھی کچھ زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ نیاز علی صاحب سے اختلافات پیدا ہو گئے۔ لہٰذا پٹھان کوٹ چھوڑ کر لاہور آ گئے۔ اور اسلامیہ کالج لاہور میں دینیات کے معلّم بن گئے۔ ایک سال رہنے کے بعد پھر پٹھان کوٹ چلے گئے۔

۱۹۴۱ء کو لاہور میں "جماعت اسلامی" کی بنیاد ڈالی گئی۔ اور خود اس کے امیر مقرر ہوئے۔ ۱۹۴۷ء میں تقسیم ہند کے بعد آپ اور آپ کے ساتھی پناہ لینے کے لئے پٹھان کوٹ چھوڑ کر پاکستان میں آ گئے۔ اور اب لاہور اچھرہ میں مقیم ہیں۔

حقیقت

"جس طرح عداوتوں میں سب سے زیادہ خطرناک وہ عداوت ہے جو دوستی کے پیرایہ میں کی جائے

اسی طرح گمراہیوں میں سب سے زیادہ خطرناک وہ گمراہی ہے۔ جو ہدایت کے لباس میں جلوہ گر ہو" تفہیمات

"ان الکذوب قد یصدق"

تحریک مودودی، علمائے کرام کی نظر میں

اسلام میں جو فضائل حضرات علماء کرام کے بیان کئے گئے ہیں ان کی نسبت کسی شرح و تفصیل کی ضرورت نہیں ہے۔ خالق السموٰت والارض کی جملہ مخلوقات میں سب سے افضل و اعلیٰ انسان ہے۔ اور کل انسانوں میں سب سے بہترین، ممتاز، مقبول متبعین انبیاء علیہم السلام ہیں۔ اور پھر امتوں میں بہترین امت حضور علیہ السلام کی امت ہے۔ اور اس بہترین امت میں سے منتخب حضرات علماء کرام ہیں۔ حضورؐ نے علماء کو انبیاء بنی اسرائیل سے تشبیہہ دی ہے اور اور اپنے سچے وارث ٹھیرایا ہے۔ اور اپنی بعثت کی غرض و غایت یعنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضہ کو ادا کرنے کے لئے علماء کو اپنے جانشین قرار دیا ہے۔ اور پھر باری تعالیٰ نے قرآن حکیم میں واضح طور پر اہل علم حضرات کی فضیلت پر مہر تصدیق ثبت فرما دی ہے۔ ارشاد ہے

انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء۔	مرتبۂ خشیت پر (جو عند اللہ افضل ترین مرتبہ ہے) صرف علماء ہی فائز ہیں

حضرت تاجدار مدینہ علیہ السلام نے فرمایا ہے۔

فضل العالم علی العابد کفضلی علی ادناکم (الحدیث)	عالم کی فضیلت عابد شب زندہ دار پر ایسی ہے۔ جیسے کہ میری ذات کی فضیلت تم میں سے ایک ادنیٰ شخص پر

علماء کرام دین اسلام کا سرچشمہ ہیں۔ وہ ہدایت کا مینار ہیں۔ وہ اصلاح نفس کے ماہر ہیں۔ اور اخلاقی بیماریوں کے معالج ہیں۔ ان کا وجود باعث خیر و برکت اور ذریعہ نجات ہے وہ دیانت، تقویٰ، راست بازی، اور اصلاح و تبلیغ کے اعلیٰ مقام پر فائز ہیں۔ اس وجہ سے وہ جو رائے دیں گے۔ وہ دین کے معاملہ میں حتمی اور حرف آخر کا درجہ رکھے گی۔ دین کے معاملہ میں مہارت تامہ کی وجہ سے ان کی رائے کو فوقیت حاصل ہوگی۔ بہرحال علماءِ کرام کی قصیدہ خوانی مقصود نہیں بلکہ مقصد اظہار حقیقت ہے۔ تحریک مودودی کے متعلق چند مشہور علماء کی آراء درج ہیں۔ امید ہے کہ ان آراء کی روشنی میں آپ کسی نتیجہ پر پہنچ سکیں گے۔

۱۔ میرا دل اس تحریک کو قبول نہیں کرتا۔ مولینا اشرف علی تھانوی رح

۲۔ تمام قدیم راسخ العقیدہ علماء جماعت کے مخالف ہیں۔ سید سلیمان ندوی رح

۳۔ اس کی باتوں پر ہرگز اعتماد نہیں کرنا چاہئے۔ اس کو جاہل اجہل سمجھنا چاہئے ایسے شخص سے مسلمانوں کو دور رہنا چاہئے۔ مولینا ظفر احمد

عثمانی ڈھاکہ۔ ۱۲ر رجب ۱۳۷۲ھ

۴۔ میں مودودی صاحب کے عقائد اور طریق سے خود متنفر ہوں اور مختلف مجالس میں یہ بات ہوتی رہتی ہے۔ مولینا مفتی محمد حسن رحمہ

۵۔ توقع ہے کہ مسلمان ظاہری و لفظی خوش نمائیوں پر فریفتہ نہ ہوں گے باطنی زہر کو بھی محسوس کریں گے۔ اور دینی گمراہی اور دنیوی تفریق سے بچیں گے۔ مولینا جمیل احمد صاحب تھانوی مفتی خانقاہ اشرفیہ تھانہ بھون۔

۶۔ یہ جماعت گمراہ جماعت ہے۔ اس کے عقائد اہل سنت والجماعت اور قرآن وحدیث کے خلاف ہیں۔

علماء کا اختلاف اس سے ذہن کی وجہ سے ہے یہ جماعت بددین ہے اس کے اصول درجہ کفر وضلالت تک پہنچانے والے ہیں۔

مولینا حسین احمد مدنی رح

۷۔ مسلمانوں کو اس تحریک سے علیحدہ رہنا چاہئے۔ اور ان سے میل جول، ربط و اتحاد نہیں رکھنا چاہئے۔ مولینا مفتی کفایت اللہ دہلوی رح

۸۔ آپ لوگ ایک سیاسی جماعت ہیں۔ اور آپ حکومت کے طالب ہیں جو مردود ہے۔ مولینا محمد یوسف خلیفہ حضرت مولینا محمد الیاس رح

۹۔ مولانا مودودی کی تحریک کو ہمیشہ خارجیت سے تشبیہ دیتے ہیں۔

(یہ تشبیہ بعض اعتبارات سے موزوں ہے۔ کیونکہ خوارج کی جماعت علم وفضل و زہد وتقویٰ اور غیرت دینی کی نمائش کے باوجود، اسلامی حکومت اور مسلم معاشرے کے لئے نہایت مضرت رساں اور فتنہ پرور تھی۔) مولینا عبدالماجد دریا آبادی۔

۱۰۔ بلاشبہ جماعت کے بانی اور بہت سے اساطین خود علمی وعملی، تربیت وصحبت سے محروم ہونے اور بڑے کتابی علم وذہانت کے زور میں کہیں کہیں سے نکل گئے۔ اور بہت سی مہلک بے اعتدالیوں کا شکار ہو کر اپنے اور دوسروں کے لئے "نیم ملا خطرہ ایمان" بن گئے ہیں۔ مولینا عبدالباری ندوی۔

۱۱۔ لیکن حقیقت پسندی کا ان کے ہاں فقدان ہے۔ اور منطقی دلائل کی بنا پر وہ ایسے، ایسے شوشے چھوڑ دیتے ہیں۔ کہ ان پر سوائے ان کے غالی عقیدتمندوں کے، کسی کو قائل کرنا مشکل ہوتا ہے

(مولینا مناظر احسن گیلانی رح)

۱۲۔ یہ تحریک کوئی نئی تحریک نہیں ہے، یہ وہ ہی پرانی خارجیت ہے جو نئے نئے روپ اختیار کر چکی ہے۔ اس کی تحریک مسلمانوں کے حق میں سخت خطرناک ہے۔ مولینا مصطفےٰ رضا خاں صاحب قادری ومفتی دارالعلوم منظر الاسلام بریلی۔

۱۳- اور یقیناً تفریق بین المسلمین کی موجب اور نئے فرقہ کے پیدا
کرنے کے لئے بنیاد ہے لیکن بنظر تعمق نظر کیجئے تو کفر تک پہنچانے
والی ہے - پس ایسی صورت میں نیا فرقہ پیدا کرنے والی نہیں بلکہ
فرقہ مرتدین میں داخل کرنے والی ہوسکتی ہے - اعاذنا اللہ تعالیٰ
مولینا محمد مظہر اللہ امام مسجد جامع فتحپوری دہلی

۱۴- اور یقیناً اس سے مسلمانوں میں باہم پھوٹ پیدا ہوتی ہے - اور
ایک جدید فرقہ کی بنیاد پڑتی ہے - جو حکم مسجد ضرار کا ہے - اسی جیسے
حکم میں یہ جماعت بھی داخل ہے - مولینا ابو سلیم محمد حفیظ اللہ علیگڈھ

۱۵- ان میں سے اکثر و بیش تر باتیں خوارج و معتزلہ کے مسلک سے ملتی
جلتی ہیں - لہٰذا اس طرح کی تبلیغ بجائے ہدایت کے ضلالت ہے - اس
طرح کے امور کی دعوت و تبلیغ پر مسلمانوں کو لبیک کہنا درست نہیں
مفتی مولینا عبدالقادر و مفتی مولینا محمد عتیق مدرسہ عالیہ فرنگی محل
واقع ٹکسال لکھنؤ -

۱۶- میں جماعت اور اس کے لٹریچر کو مسلم اور اسلام کے لئے مضر ہی
مضر تصور کرتا ہوں - ان مضرتوں کے ہوتے ہوئے وہ ظاہری محاسن
جو اس جماعت کی تنظیم وغیرہ میں مستحق تحسین ہیں - قابل التفات نہیں -
مولینا وجیہہ الدین احمد خاں مدرس اول مدرسہ عالیہ رامپور -

۱۷- اس کے ساتھ اشتراک کرنا صحیح نہ ہوگا - اور یہ خیال ایک دھوکا
ہوگا - کہ منظم جماعت کے خلاف کچھ کہنا صحیح نہیں مولینا محمد حامد علی خاں مفسر
مدرسہ عالیہ رام پور -

۱۸- عام مسلمانوں کو مشورہ دیتا ہوں کہ جماعت اسلامی سے اجتناب
کریں کہ اس کا طریقہ اہل سنت والجماعت کے خلاف ہے -
مولینا فقیر محمد خانقاہ عنائتیہ رام پور -

۱۹- مودودی صاحب کی تقاریر اور مسلک مختارہ ناکام اور مخالف اہل
سنت والجماعت ہے - ان کے مذہب کا مطالعہ باعث ضلالت اور
مفسدہ ہے - مولینا غلام محی الدین چشتی شیخ الحدیث مدرسہ مطلع العلوم
رام پور -

۲۰- تحریک مودودی ایک بہت بڑا فتنہ ہے جس سے خود کو علیحدہ
رکھنا اور دوسرے سادہ لوح مسلمانوں کو بچانا ہر مسلمان کا فرض
اولین سمجھتا ہوں - مولینا سید احمد سعید کاظمی -

۲۱- وہ اپنی ہر اپچ کو خواہ وہ کفر اور الحاد ہی کیوں نہ ہو اپنے داؤ
پیچ سے ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں - مولینا ابوالفضل عبدالحنان
دہلوی صدر مؤتمر اہل حدیث -

۲۲- ابوالاعلیٰ کی تحریروں سے الحاد کی بو آتی ہے - اس کی جماعت

بھی مرزائیہ اور چکڑالویہ فرقہ کی طرح ایک جدید روش کا بے دین
فرقہ ہے : مولینا عبدالجبار خطیب موتی مسجد بندر روڈ۔ کراچی

۲۳- میں نے مودودی کی اکثر کتابیں ورسالے بنظر غائر پڑھے ہیں
ان میں بہت سی باتیں ایسی ہیں جن سے مسلمانوں کے صریح گمراہ ہونے
کا خوف ہے ۔مولینا محمد یونس دہلوی شیخ الحدیث ۔

۲۴- اللہ تعالیٰ ایسی جماعت اسلامی سے جس کا اسلام سراسر کفر
ہے ۔محفوظ رکھے (آمین) مولننا ابوسعید شرف الدین دہلوی

۲۵- میں نے مودودی صاحب کی کتابوں کا مطالعہ کیا ہے ۔ اور اس
نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ یہ شخص پرلے درجہ کا ملحد اور زندیق ہے ۔
مولینا ابونعیم عبدالحکیم فاضل مدرسہ رحمانیہ وندوہ

۲۶- مولینا ابوالاعلیٰ صاحب مودودی کی کتب وعقائد سے فی الواقع
ایسے نتائج نکل رہے ہیں جس سے اسلام کی بنیاد متزلزل ہوجاتی ہے ۔
سید عطاء اللہ شاہ بخاری رح مولینا محمد علی جالندھری ۔

۲۷- بانی تحریک کے خیالات سادہ لوح مسلمانوں کے لئے بے حد
خطرناک ہیں ۔عقائد کے لئے سم قاتل کا اثر رکھتے ہیں۔ اس قابل ہیں
کہ انہیں حرف غلط کی طرح مٹا دیا جائے ۔مولینا حاکم علی مدرسہ
سعودیہ ۔کراچی ۔

۲۸- مسلمانوں کو اس تحریک میں ہرگز شریک نہ ہونا چاہئے ۔ یہ
ان کے لئے زہر قاتل ہے ۔ مولینا مفتی مہدی حسن صدر
مفتی دارالعلوم دیوبند۔

۲۹- برادران اسلام مودودی صاحب کی تحریک کو بنظر غور
دیکھا جائے ۔ توان کی کتابوں سے جو چیز ثابت ہوتی ہے ۔ وہ یہ ہی
کہ مودودی صاحب ایک نیا اسلام، مسلمانوں کے سامنے پیش
کرنا چاہتے ہیں ۔مولینا احمد علی لاہوری رح۔

۳۰- حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ۔ کہ اصل دجال
سے پہلے تیس دجال اور پیدا ہوں گے ۔ جو اس اصلی دجال کا راستہ
صاف کریں گے ۔ میری سمجھ میں ان تیس دجالوں میں سے ایک مودودی
ہیں ۔ مولینا محمد صادق رح مظہر العلوم کھڈہ ۔ کراچی

۳۱- ہم مودودی صاحب کے تراشیدہ اسلام کی سخت مخالفت کرتے
ہیں ۔ اور مسلمانوں سے اپیل کرتے ہیں کہ " جماعت اسلامی کے تعاون
اور شمولیت سے اجتناب کریں : مولینا حافظ فضل احمد رح ومولینا
محمد عثمان بلوچ ۔

۳۲- مودودی صاحب کی جماعت اور جماعت کے لٹریچر سے عام لوگوں
پر یہ اثرات مرتب ہوتے ہیں کہ ائمہ ہدایت کے اتباع سے آزادی اور

بے تعلقی پیدا ہو جاتی ہے ۔ جو عوام کے لئے مہلک اور گمراہی کا
باعث ہے ۔ مولینا قاری محمد طیب مہتمم دار العلوم دیوبند ۔ و مولینا
عبداللطیف مہتمم مظاہر العلوم سہارن پور ۔

۳۳ ۔ مودودی صاحب کی تحریرات دیکھی گئیں اور سنی بھی گئیں جن سے
الحاد اور سراسر بے دینی ٹپک رہی ہے ۔ لہٰذا ان کو ووٹ دینا ، یا
تعاون کرنا درست نہیں ہے ۔ نیز ایسے شخص کی تحریروں سے اجتناب
ضروری ہے ۔ مولینا محمد ابراہیم میاں چنوں و مولینا عبدالعزیز، منٹگمری

۳۴ ۔ مودودی صاحب مسلمانوں کے اجماعی عقیدوں ، متواترات
، ضروریات دین کا انکار کرتے ہیں ۔ مولینا مفتی فقیر اللہ منٹگمری ۔

۳۵ ۔ یہ فتنہ نہایت خطرناک اور شدید ہے ۔ مولینا محمد لائل پوری ۔

۳۶ ۔ وہ وقت دور نہیں ، کہ امت مسلمہ کے سامنے دہریت ، مرزائیت
، اشتمالیت ، اور اشتراکیت کی طرح مودودیت بھی ایک عظیم الشان
خوفناک فتنہ کی شکل میں نمودار ہو جائے ۔ مولینا ابو الحسنات ،
محمد احمد قادری رحمہ لاہور ۔

۳۷ ۔ مودودی صاحب واقعی کوئی نیا اسلام پیش فرما رہے ہیں ۔
مولینا محمد اسحاق ناظم مدرسہ عربیہ باغبان پورہ لاہور

۳۸ ۔ اس تحریر سے واضح ہوتا ہے ۔ کہ ساڑھے تیرہ سو برس کا اسلام ،

(ما انا علیہ و اصحابی) کو چھوڑ کر وہ ایک جدید اسلام امت کے
سامنے پیش کرنا چاہتے ہیں ۔ ان کی نظر میں یہ صحیح اسلام ہے ۔ لیکن ہمارے
نزدیک یہ گمراہی ہے ۔ ۱۔ مولینا محمد عبداللہ ۔ خیر المدارس ۲ مولینا عبدالحق
دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ۳ مولینا محمد شفیع قاسم العلوم
ملتان ۔

۳۹ ۔ سید دوعالم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جس دعوت کو لے کر
آئے تھے ۔ مودودی صاحب کے نئے مذہب فکر کو اس سے دور کا بھی
تعلق نہیں ہے ۔ مولینا انیس الرحمٰن خلف مولینا حبیب الرحمٰن لدھیانوی

۴۰ ۔ ایسا شخص جس کا ظاہری لیبل اسلام کا ہو اور درپردہ تمامی دین
کا انکار ہو ۔ یہ قائد منافق ہے ۔ اس کا ٹھکانا اسفل السافلین ہے
مولینا حافظ غلام سرور ضلع کیمبل پور ۔

۴۱ ۔ مودودی صاحب کی کتابوں کے اقتباسات سن لئے جو کہ اسلام کے
خلاف اور روحانیت کو تباہ کرنے کے لئے بمنزلہ زہر قاتل ہیں ۔
مولینا عباس خاں ضلع بنوں ۔

۴۲ ۔ مولینا مودودی صاحب نے اسلام کے مٹانے کی جو کوشش کی ہے ۔ وہ
کسی اہل حق سے پوشیدہ نہیں ہے ۔ مولینا محمد رحمت اللہ مجروح چارسدہ پشاور

۴۳ ۔ واقعی مودودی صاحب کا مسلک وہ ہے ۔ جو مسلمانوں کو کفر کے گڑھے

میں گرا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اس سے بچائے۔ مولینا باغ علی
حیدر آباد۔

۴۴۔ احقر کو جب اپنے اکابر اور سلف کی برکت اور صحبت سے
اسلام نصیب ہوا ہے۔ ورنہ اس سے قبل معلوم نہیں احقر کیا تھا۔ ان
حضرات کی صحبت سے ہی مسلمان ہوا۔ تو بھلا یہ فرمائیے کہ بقول آپ
کے جو ان حضرات کی شان میں گستاخی اور بے باکی سے کام لیتا ہے
اس کو ہم کب گوارا کر سکتے ہیں۔ حضرت شاہ عبد القادر رائے پوریؒ

۴۵۔ ہم ذیل کے دستخط کنندگان علی وجہ البصیرۃ اعلان کر دینا اپنا
مذہبی فریضہ سمجھتے ہیں۔ کہ عوام و خواص جمیع مسلمین کو مودودیوں سے
تعاون و اشتراک کرنے، نیز ان کی کتابوں و رسائل اور اخبارات
وغیرہ سے اجتناب ضروری ہے۔

۱۔ مولینا محمد یونس جامع مسجد لائل پور۔ ۲۔ مولینا عبد الرحمن
اشرف المدارس۔ ۳۔ مولینا محمد یحیٰ ٹوبہ ٹیک سنگھ۔ ۴۔ مولینا
محمد یوسف سٹی مسلم ہائی سکول لائل پور۔ ۵۔ مولینا عبد الرحمن خطیب
مسجد گوبند پورہ وغیرہ (سات دستخط دیگر)

مذکورہ بالا خیالات پاکستان اور ہندوستان کے چند ممتاز
علماء و صلحاء کے ہیں جن کو مختصراً تحریر کر دیا ہے۔

ان حضرات کے علاوہ بھی دیگر علماء نے تحریک مودودی کو رد کیا ہے۔ اور
ان کی تعداد سینکڑوں تک پہنچتی ہے۔ ان سب کی آراء اور
بیانات کو درج کرنے کے لئے مستقل ایک کتاب لکھنی پڑیگی
خوف طوالت سے وہ سب خیالات درج نہیں کئے جا سکے۔ نیز
جمیعتہ اہل حدیث، نے بحیثیت جماعت، جمیعتہ علماء پاکستان
نے بطور جماعت اور علماء دیوبند نے "متفقہ فیصلہ" بھی اس
تحریک کے خلاف لکھا ہے۔ بالفاظ دیگر یہ کہا جا سکتا ہے۔ کہ ہر مکتب
فکر کے علماء کرام نے متفقہ طور پر اور قاطبتہً تحریک مودودی کو
دین و دنیا کے لئے مضر اور خطرناک قرار دیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں
کہ اس مجمع علیہ فیصلہ کے خلاف عقیدہ رکھنا اور عمل کرنا بذات
خود کھلی ہوئی گمراہی ہے۔

اللہ تعالیٰ آپ کو اور ہمیں علمائے حقانی کے نقش قدم پر
چلنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین۔

تحریکِ مودودی کے متعلق شرعی احکامات

یہ مسلّمہ قاعدہ ہے کہ کسی مسئلہ کے متعلق اس کے ماہرین کی رائے معتبر اور قابلِ قبول ہوتی ہے۔ اس لحاظ سے دینی اور شرعی معاملات میں حضرات علماء کرام کی رائے حرفِ آخر کا درجہ رکھتی ہے اور اس سے انحراف گویا شرعی حکم سے انحراف ہوگا۔ تحریکِ مودودی سے متعلق علماء کرام کی آراء گزر چکی ہیں۔ یہاں صرف اس تحریک سے متعلق شرعی حکم درج کیا جاتا ہے۔

"مودودی صاحب اور اُس کے ہم خیالوں کے پیچھے نماز جائز نہیں ہے اس کے بعض کلمات کفر کی حد تک پہنچتے ہیں۔ یہ ضال اور مُضل ہے یعنی خود گمراہ ہے دوسروں کو گمراہ کرنے والا ہے۔ عام اہلِ اسلام اس کی کتابیں نہ پڑھیں"
(حضرت مولٰینا نصیر الدین صاحب شیخ الحدیث غورغشتی شریف۔ خلیفہ حضرت حُسین علی واں بچراں۔ ترجمان الاسلام ۶؍ دسمبر ۶۳ء)

"اس جماعت کی کتابیں عوام کو نہ پڑھنی چاہیئے اور نہ ہی اس جماعت میں داخل ہونا چاہیئے۔ مودودی صاحب کے مضامین اور کتابوں میں بہت سی باتیں ایسی ہیں جو اہل سنت والجماعت کے طریقہ ہی کے خلاف ہیں۔ صحابہ کرام اور ائمہ مجتہدین کے متعلق ان کا خیال اچھا نہیں ہے۔ احادیث کے سلسلہ میں بھی ان کے خیالات ٹھیک نہیں ہیں۔ بے عمل مسلمانوں کو بھی وہ مسلمان نہیں سمجھتے۔ غرض بہت سی باتیں ہیں جو خلاف ہیں۔ اس لئے مسلمانوں کو اس جماعت سے علیحدہ رہنا چاہیئے"۔ (صدر مفتی حضرت مولانا السیّد مفتی مہدی حسن صاحب دارالعلوم دیوبند)

"مسلمانوں کو اس تحریک سے علیحدہ رہنا چاہیئے اور ان سے میل جول، ربط و اتحاد نہ رکھنا چاہیئے"۔ (حضرت مفتیٔ اعظم محمد کفایت اللہ دہلویؒ)

"مسلمانوں کو اس تحریک میں ہرگز شریک نہیں ہونا چاہیئے، ان کے لئے زہرِ قاتل ہے۔ لوگوں کو اس میں شریک ہونے سے روکنا چاہیئے۔ ورنہ گمراہ ہوں گے۔ بجائے فائدہ کے نقصان ہوگا۔ شرعاً اس تحریک میں حصّہ لینا ہرگز جائز نہیں۔ اس جماعت کے مقصد کی نشر و اشاعت جو شخص کرتا ہے۔ وہ بجائے فائدہ کے گناہ کا کام کرتا ہے کہ مضر اثرات سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔ اور گناہ کی طرف لوگوں کو دعوت دیتا ہے۔ اگر کوئی مسجد کا امام مودودی صاحب کا ہم خیال ہو تو ایسے شخص کے پیچھے نماز مکروہ ہے"۔ (کتبہ السیّد مہدی حسن صدر مفتی دارالعلوم دیوبند۔ الجواب صحیح۔ مسعود احمد عفا اللہ عنہ نائب مفتی دارالعلوم دیوبند۔ ۲۳ جمادی الثانی ۱۳۷۰ھ)

"مودودی صاحب کی جماعت شرکت کے لائق نہیں ہے۔ ان کے بعض خیالات گمراہ کن ہیں۔ ان سے علیحدہ رہنا لازم ہے"۔ (محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی۔ مہر)

"بالجملہ مودودی اور اس کی تحریک سے مسلمانوں کو دور و نفور رہنا لازم ہے۔ وہ اور اس کی تحریک مسلمانوں کے حق میں سخت خطرناک ہے"۔ (کتبہ ابو الفضل سید محمد افضل حسین غفرلہ مفتی دار العلوم منظر الاسلام۔ بریلی۔ الجواب صحیح۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ فقیر مصطفیٰ رضا قادری غفرلہٗ ۲۲ رجب ۱۳۷۰ھ)

"ان باتوں کا ظاہر تو یہی ہے کہ مسلم کو اہلِ سنت سے خارج کرنے والی ہیں اور یقیناً تفریق بین المسلمین کی موجب اور نئے فرقہ کے پیدا کرنے کے لئے بنیاد ہیں۔ لیکن بنظر تعمق نظر کیجئے تو کفر تک پہنچانے والی ہیں۔ پس ایسی صورت میں نیا فرقہ پیدا کرنے والی نہیں بلکہ فرقۂ مرتدین میں داخل کرنے والی ہو سکتی ہیں"۔ اعاذنا اللہ تعالیٰ۔ فقط واللہ تعالےٰ اعلم (محمد مظہر اللہ غفرلہٗ امام مسجد جامع فتحپوری دہلی)

"بتایا جا چکا ہے کہ ثانی الذکر کل امور مضر ہیں اور قطعاً یہ اندازِ دعوت و تبلیغ شرعی نقطۂ نظر سے غلط بلکہ گمراہ کن ہے۔ اور یقیناً اس سے مسلمانوں میں باہم پھوٹ پیدا ہوتی ہے۔ اور ایک جدید فرقہ کی بنیاد پڑتی ہے۔ جو حکم مسجد ضرار کا ہے۔ اسی جیسے حکم میں یہ جماعت بھی داخل ہے"۔ (المجیب المعتصم بحبل اللہ الفقیر ابو سلیم محمد حفیظ اللہ غفرلہٗ علیگڑھ ۱۲ رجب المرجب ۱۳۷۰ھ)

وغیرہ ذالک من احکام الشرعیۃ اللتی صدرت من العلماء الکرام فی حق المودودی وتحریکہ = ذکرت نبذۃ من ذالک فی ھذا الباب۔ لیھلک من ھلک عن بیّنۃ ویحیی من حیّ عن بیّنۃ تو خود حدیث مفصل بخواں ازیں مجمل

مودودی صاحب کا مسلکِ خاص

"آخر میں ایک بات کی اور توضیح کر دینا چاہتا ہوں۔ فقہ اور کلام کے مسائل میں میرا ایک خاص مسلک ہے جس کو میں نے اپنی ذاتی تحقیق کی بناء پر اختیار کیا ہے"۔ رسالہ زندگی رامپور دسمبر ۱۹۵۰ء صـ ۱۸۴

واضح رہے کہ فقہ سے مراد وہ دینی مسائل ہیں جو عملی طور پر استعمال میں آتے رہتے ہیں اور کلام سے مراد وہ معتقدات ہیں جن کا تعلق بنیادی عقیدہ سے ہو۔ گویا اصولاً و فروعاً "مودودی صاحب" "ایک خاص مسلک" رکھتے ہیں جنہیں آپ نے اپنی ذاتی تحقیق سے اختیار کیا ہے۔

"مجھے گروہِ علماء میں شامل ہونے کا شرف حاصل نہیں ہے۔ میں ایک بیچ کی راس کا آدمی ہوں۔ جس نے جدید اور قدیم طریقہائے تعلیم سے کچھ، کچھ پایا ہے، اور دونوں کوچوں کو چل پھر کر دیکھا ہے۔ اپنی بصیرۃ کی بناء پر نہ تو میں قدیم گروہ کو سراپا خیر سمجھتا ہوں اور نہ جدید گروہ کو"۔ ترجمان القرآن ربیع الاول ۱۳۵۵ھ صـ ۲۲۷۔

خالی الذہن ہو کر سوچئے کہ جس شخص کے یہ خیالات ہوں اس کے دل میں

ان قدیم وجدید کے اصول و فروع کی کیا وقعت ہو سکتی ہے۔ حالانکہ دورِ قدیم کے اہم انقلابی تغیرات کے مطالعہ کے بعد ہم یہ سمجھنے کے لئے مجبور ہو جاتے ہیں کہ آج بیسویں صدی میں انسانیت جس روگ سے بسترِ مرگ پر تڑپ رہی ہے اس کے لئے وہی دوا کافی ہو سکتی ہے، جو آج سے تیرہ سو سال پہلے کے بیمار انسان کو پلائی گئی تھی اور اسی دوا نے حلق سے اترتے ہی وہ حیرت انگیز اثر دکھایا تھا، کہ بیمار نہ صرف خود تندرست و توانا ہو گیا تھا بلکہ اس نے پورے انسانی دنیا کو سرچشمہ زندگی سے سیراب کر دیا تھا۔

یکبار نالہ کردہ ام از دردِ اشتیاق — از شش جہت ہنوز صدامی نواں شنید

"قرآن کے لئے کسی تفسیر کی حاجت نہیں۔ ایک اعلیٰ درجے کا پروفیسر کافی ہے"۔ تنقیحات ص ۲۲۲

"اس میں جس چیز کی کوشش میں نے کی ہے وہ یہ ہے۔ کہ قرآن کو پڑھ کر جو مفہوم میری سمجھ میں آئے اور جو اثر میرے قلب پر پڑتا ہے، اسے جوں کا توں اپنی زبان میں منتقل کر دوں"۔ مقدمہ تفسیر تفہیم القرآن۔

مودودی صاحب نے جس بات کی کوشش کی ہے وہ علماء کے نزدیک تفسیری نقطۂ نظر وایک بہت بڑا عیب ہے۔ ایسی تفسیر کو خیالات اور تاثرات کا مجموعہ تو کہا جا سکتا ہے۔ مگر تفسیر ہرگز نہیں کہا سکتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ مَن قالَ فی القرآن برایہٖ فا صاب فقد اخطاء (ترمذی، ابو داؤد)

جس نے قرآن میں رائے سے کچھ کہا اور ٹھیک کہا تب بھی اس نے خطا کی۔

یہ لوگ براہِ راست قرآن وحدیث سے استفادہ کو کمال سمجھتے ہیں۔ حالانکہ یہ فن کے مبادی اور لوازم سے بالکل جاہل ہیں اور اسے کہتے ہیں تلعب بالقرآن

"آپ پوچھیں گے کہ یہ نماز، روزہ اور حج وغیرہ کیا چیزیں ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ دراصل یہ عبادتیں جو اللہ نے آپ پر فرض کی ہیں، ان کا مقصد اس بڑی عبادت کے لئے تیار کرنا ہے جو آپ کو زندگی میں ہر وقت ہر حال میں ادا کرنی چاہئے"۔ خطبات سوم ص ۱۰

"کسی کو پیر صاحب، اور کسی کو مولانا، اور کسی کو دیندار متقی، اور عبادت گزار، یہ صرف اس لئے کہ آپ ان کے منہ پر پورے ناپ کی داڑھیاں دیکھ کر ان کے ٹخنوں سے دو، دو انچ اونچے پائجامے دیکھ کر اور ان کی پیشانیوں پر نماز کے گٹے دیکھ کر، ان کی لمبی لمبی اور موٹی موٹی تسبیحیں دیکھ کر، سمجھتے ہیں کہ بڑے دیندار، اور عبادت گزار ہیں۔ یہ غلط فہمی بھی اسی وجہ سے ہے کہ آپ نے عبادت اور دینداری کا مطلب ہی غلط سمجھا"۔ خطبات سوم ص۹ تقطیع خورد

مقصود بالذات عبادات کا یہ مفہوم شاید مودودی صاحب نے کہاں سے اخذ کیا ہے جو قرآن حکیم کے صریح خلاف ہے۔ باری تعالےٰ فرماتے ہیں۔

الذین ان مکناھم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ

یہ وہ لوگ ہیں اگر ہم ان کو زمین میں قدرت دے دیں گے تو قائم کریں

وأمروا بالمعروف ونهوا عن المنکر۔ گے نماز، اور ادا کریں گے زکوٰۃ، اور نیک کاموں کا حکم کریں گے اور بُرے کاموں سے منع کریں گے۔

یہ بات معلوم ہونی چاہیئے کہ اس جماعت اور اس تحریک کے اصل محرک مودودی صاحب ہیں۔ ان کا مقصد و مسلک اور مذہبِ فکر عرض کیا جاچکا ہے کہ ان کے نزدیک حکومت اصل مقصود ہے، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، عبادات غیر مقصودہ ہیں۔ ان کی نظر میں ان کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ جو شخص ان کی تحریک میں شریک ہو، ان کے پروگرام کا حامی ہو، عملی اعتبار سے خواہ اس کی حالت کتنی ہی خراب ہو، وہ عابد اور اصلی مسلمان کہلانے کا مستحق ہے۔ اور جو لوگ ان کے افکارِ باطلہ کو نہیں مانتے خواہ وہ کتنے ہی عالم، عابد اور زاہد ہوں اور کیسے ہی اقامتِ دین اور اعلاء کلمۃ اللہ کی جدوجہد میں مصروف ہوں۔ وہ سب ان کے نزدیک نسلی مسلمان، گمراہ، منافق اور باغی کہلانے کے مستحق ہیں۔ یہ ہے ان کا غلو اور افراط۔ حالانکہ آیت مذکورہ میں حکومت کا جو مقصد بیان کیا گیا ہے اس میں ان اعمال کا خاص طور سے ذکر کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ حکومت فی نفسہٖ مطلوب نہیں ہے۔ اصل مقصد اللہ تعالیٰ کی عبادت اور امر بالمعروف و نہی المنکر ہے۔

عام طور پر مودودی صاحب کے حلقہ بگوشاں اور خود جناب مودودی صاحب

بھی یہ کہتے ہیں کہ مودودی صاحب پر اعتراض کرنے والے ان کی عبارتوں کے سیاق و سباق کو نہیں دیکھتے۔ جو فقرہ قابلِ اعتراض ہوتا ہے فقط اس کو پکڑ لیتے ہیں۔ اور فقط اسی فقرہ کے باعث مودودی صاحب پر طعن و تشنیع شروع کر دیتے ہیں۔ برادران اسلام سیاق و سباق سے مودودیوں کی یہ مراد ہوتی ہے۔ کہ اگلی پچھلی عبارتوں کو دیکھ کر پھر اعتراض ہو تو کرنا چاہیئے۔ اس اعتراض کا جواب حضرت مولانا احمد علی صاحبؒ نے دیا ہے۔ جو میرے جواب سے مختلف ہے۔ پہلے حضرت مولینا کا جواب ملاحظہ فرمایئے۔ بعدہٗ بندہ اپنا جواب پیش کرے گا۔ مولینا فرماتے ہیں۔ اگر دس سیر دودھ کسی کھلے منہ والے دیگچے میں ڈال دیا جائے اور اس دیگچے کے منہ پر ایک لکڑی رکھ کر ایک تاگہ میں خنزیر کی ایک بوٹی ایک تولہ کی اس لکڑی میں باندھ کر دودھ میں لٹکا دی جائے پھر کسی مسلمان کو اس دودھ میں سے پلایا جائے۔ وہ کہے گا کہ میں اس دودھ سے ہرگز نہیں پیونگا۔ کیونکہ سب کچھ حرام ہوگیا ہے۔ پلانے والا کہے گا کہ بھائی! اسیر دودھ کے آٹھ سو تولے ہوتے ہیں۔ آپ فقط اس بوٹی کو کیوں دیکھتے ہو۔ دیکھیئے اس بوٹی کے آگے، پیچھے، دائیں، بائیں، اور اس کے نیچے چار انچ کی گہرائی میں دودھ ہی دودھ ہے، وہ مسلمان یہ کہے گا کہ یہ سارا دودھ خنزیر کی بوٹی کے باعث حرام ہوگیا ہے۔ یہی قصہ مودودی صاحب کی عبارتوں کا ہے۔ مولینا کی یہ تمثیل بالکل صحیح ہے۔

اس کے علاوہ میرا جواب یہ ہے کہ جناب مودودی صاحب نے کبھی تو ایسا ہی کیا ہے غالباً مودودی کی تالیف کردہ کتاب "قادیانی مسئلہ" آپ کی نظر سے گذری

ہوگی اس میں مودودی صاحب نے مرزا غلام احمد قادیانی صاحب کی مختلف کتابوں سے اقتباسات پیش کئے ہیں اور حسب ضرورت پیش کئے ہیں کہیں ساری کتاب نقل نہیں فرمائی۔ اس سلسلہ میں مودودی صاحب یا آپ کے "صالحین" جو جواب دیں وہی ہماری طرف سے سمجھ لیا جائے (ماھو جوابکم فھو جوابنا) اصل میں عوام کو ایسی موشگافیوں سے تذبذب میں مبتلا کرنا مقصود ہوتا ہے۔ ورنہ آج تک کسی نے کوئی حوالہ دینے کے لئے پوری کتاب نقل نہیں کی اور نہ ہی یہ کوئی طریقہ ہے۔ ہاں اگر آپ میں دم ہے تو حوالجات کو غلط ثابت کیجئے ورنہ خدا کے خوف سے ڈریئے اور مودودی صاحب کی بے جا حمائت نہ کیجئے۔

دوسرا یہ کہ آپ تیرہ سو سال پہلے کے بزرگان دین کی پرانی تحریریں پیش کر کے تنقید کا حق رکھتے ہیں تو آپ نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ ہم آپ کو اپنے بزرگان دین سے اتنا بلند درجہ دیں گے کہ آپ کی تحریروں کو وحی الٰہی سمجھ لیا جائے اور ان پر کوئی تنقید ہی نہ کیجائے۔

ویل للمطففین الذین اذا اکتالوا علی الناس یستوفون واذا کالوھم او وزنوھم یخسرون	خرابی ہے گھٹانے والوں کی، وہ کہ جب ماپ لیں، لوگوں سے، پورا بھر لیں، اور جب ماپ دیں ان کو، یا تول دیں، تو گھٹا کر دیں۔

"حقیقت یہ ہے کہ اسلام کسی مذہب کا اور مسلمان کسی قوم کا نام نہیں،

دراصل اسلام ایک انقلابی نظریہ و مسلک ہے" تفہیمات ص ۷۶ مطبوعہ دفتر ترجمان القرآن لاہور

باری تعالیٰ تو یہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا فرمائی تھی کہ اے اللہ میری اولاد میں سے مسلم قوم پیدا کر اور جناب مودودی صاحب یہ کہہ رہے ہیں کہ "مسلمان کوئی قوم نہیں ہے"۔ فیا للعجب!

ربنا واجعلنا مسلمین لک ومن ذریتنا امۃ مسلمۃ لک وارنا مناسکنا وتب علینا ج انک انت التواب الرحیم	پروردگار! اور تو ہم دونوں کو اپنا مسلم بنا اور ہماری نسل سے ایک ایسی قوم اٹھا جو تیری مسلم ہو اور ہمیں اپنی عبادت کا طریقہ بتا اور ہم پر بخشش کی نظر رکھ کہ تو بڑا بخشنے والا مہربان ہے

اور دوسری جگہ فرمایا ہے

ملۃ ابیکم ابراھیم ھو سمّٰکم المسلمین (قرآن حکیم) یہی ملت تمہارے مورث اعلیٰ ابراہیم خلیل کی ہے اور اس نے تمہارا نام "مسلمان" رکھا ہے

علماء و محدثین جنھوں نے اسلام کی زریں خدمات سر انجام دی ہیں۔ وہ کسی مسئلہ کو حل کرنے کے لئے پہلے کتاب و سنت کی طرف رجوع کرتے تھے۔ کتاب و سنت میں مسئلہ کی وضاحت نہیں ملتی تھی تو پھر اجماع و قیاس سے کام لیتے تھے۔ بخلاف اس کے اب مودودی گروہ ایسا پیدا ہو گیا ہے جس نے اپنی رائے کو صداقت کا معیار

قرار دے کر کتاب وسنت کو اسی کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کی ہے۔ کوئی حکم خواہ پوری صداقت کے ساتھ موجود ہو، وہ ایسے معانی پہنانے کی ضرور کوشش کریں گے جو قرآن کی روح کے منافی ہو۔ اور ان کی ہوائے نفس کے مطابق ہو۔

جناب مودودی صاحب نے ابھی حال ہی میں ایک اور قلابازی کھائی ہے اور فرمایا ہے کہ "جماعتِ اسلامی" سیاسی جماعت ہے اور مذہبی نہیں۔ لیجئے ملاحظہ فرمایئے

" مولانا مودودی نے یقین دلایا کہ بیرونی خطرہ کا مقابلہ کرنے کے لئے پوری قوم متحد ہو جائے گی۔ انھوں نے کہا جماعت اسلامی مذہبی جماعت نہیں ہے بلکہ سیاسی جماعت ہے جو گذشتہ ۲۲ سال سے اس برصغیر میں کام کر رہی ہے۔"

(روزنامہ جنگ کراچی ۲۶ نومبر ۱۹۶۳ء)

مودودی صاحب معاف فرمایئے، آپ کا مذہب بھی نرالا اور آپ کی سیاست بھی نرالی۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو جناب کے مذہب اور سیاست دونوں سے اپنی حفظ وامان میں رکھے۔ (آمین) ؎

ہوا نظم جہاں برباد جن کی کم نگاہی سے
تعجب ہے وہی نظم جہاں کی بات کرتے ہیں

دن کی روشنی میں آدمی کتنا ہی روشنی سے بچنا چاہے، روشنی اس کا پیچھا نہیں چھوڑتی، وہ مکان کے دروازے بند کر لیتا ہے اور سمجھتا ہے کہ اب روشنی کو راہ نہ

ملے گی لیکن ان ہی دروازوں میں کوئی نہ کوئی دراڑ نکل آتی ہے۔ اور روشنی کی کرنیں جھانکنے لگتی ہیں۔ ایسا کیوں ہوتا ہے؟ اس لئے کہ روشنی حقیقت ہے اور حقیقت سے منہ چھپانا چاہو، لیکن وہ سامنے آکھڑی ہوگی

بالکل یہی حال آپ کی تحریک کا ہے۔ آپ چاہے مذہبی رنگ اختیار کریں یا سیاسی اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔ آپ حقیقت کی روشنی میں آنا پسند نہیں کرتے لیکن حقیقت آپ کا پیچھا کب چھوڑنے والی ہے۔ آپ تاویلات کے بند دروازے میں بیٹھ کر سمجھنے لگتے ہیں کہ اب کوئی دیکھنے والا نہیں ہے۔ لیکن جب اس پر بھی روشنی کہیں نہ کہیں سے راہ نکال لیتی ہے تو آپ چونک اٹھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ایک نئی بات ظہور میں آگئی ہے، حالانکہ نئی بات تو کوئی بھی نہیں ہوئی۔ صرف حقیقت کی روشنی ہے۔ مذہب جیسے اہم اور نازک معاملہ میں جب آپ کا قلم بے قابو ہو جاتا ہے اور تعصب، افراط، غلو، اور مزعومہ عقائد کی اپچ اتنا ہی نہیں بلکہ تمام قلمی جدوجہد یکسر دعوت اتباع کتاب وسنت کے صریح خلاف پر مبنی ہے۔ تو پھر سیاست میں اور جماعتی زندگی کی جدوجہد میں جو آپ کا کردار ہوگا بہتر ہے کہ اس پر اس وقت ہی فاتحہ پڑھ دیا جائے۔ اس لئے کہ مذہب اور سیاست ؎

این دو شمع اند کہ از یک دگر افروختہ اند

اس وقت حالتیں دو ہیں۔ اس لئے حکم بھی دو ہیں۔ ایک بے عملی کا تعطل دوسری خود فراموشی کی موت، میں سمجھتا ہوں کہ اگر مسلم عوام آپ کی تحریک میں

شریک ہوتے ہیں تو یہ خود فراموشی کی موت ہوئی۔ باقی رہا بے عملی کا تعطل تو وہ آج نہیں تو کل دور ہو جائے گا۔ افراد کیطرح جماعتوں کی زندگی کی بھی روح ہوتی ہے۔ روح اگر موجود ہے تو سب کچھ ہے۔ روح نکل گئی تو سب کچھ جاتا رہا۔ جماعتی جسم کے لئے جماعتی شرف، اصول پرستی، عزت و ہمت کا ولولہ، بمنزلہ روح ہے۔ جب جماعت میں یہ روح موجود ہے، وہ زندہ ہے۔ جب جماعت نے یہ روح کھودی وہ مردہ ہوگئی۔ آپ خود سوچ سکتے ہیں۔ کہ کس طرح سیاسی ہونے کا اعلان کر کے اپنے چہرے سے نقاب الٹ دیا ہے۔ اگر مسلمانوں کی آنکھوں کو آپ کے عمل السحر نے بند نہیں کر دیا تو وہ اس منظر کو دیکھیں اور خون کے آنسو روئیں کہ یہ کیا بدبختی ہے کہ

اے بسا ابلیس آدم روئے ست

بہر حال آپ نے مودودی صاحب کا مذہبی رنگ تو دیکھ لیا اب ذرا سیاست کا حال بھی ملاحظہ کیجئے۔

اصول جماعت

"ہم کہتے ہیں کہ جو اسمبلیاں یا پارلیمنٹیں موجودہ زمانے کے جمہوری اصول پر مبنی ہیں۔ ان کی رکنیت حرام ہے۔ اور ان کے لئے ووٹ دینا بھی حرام ہے۔"

رسائل و مسائل ۷، ۵۴ مطبوعہ مکتبہ جماعت اسلامی

اچھرہ سنہ ۱۹۵۱ء

مودودی صاحب اور سیاست

جناب مودودی صاحب ابتداء میں سیاسی اور مذہبی پارٹیاں بنانے کے سخت خلاف تھے۔ چنانچہ موصوف نے اپنے اس خیال کا اظہار اس طرح کیا ہے۔

"یہ قوم تو پہلے ہی ایک جمیعتہ ہے۔ اس جمیعتہ کے اندر کوئی الگ جمیعتہ بنانا اور مسلمان اور مسلمان کے درمیان کسی وردی یا کسی ظاہری علامت یا کسی خاص نام یا کسی خاص مسلک سے فرق و امتیاز پیدا کرنا ہے۔ اور مسلمانوں کو مختلف پارٹیوں میں تقسیم کر کے ان کے اندر جماعتوں اور فرقوں کی عصبیتیں پیدا کرنا دراصل مسلمانوں کو مضبوط کرنا نہیں ہے۔ بلکہ ان کو اور کمزور کرنا ہے۔" پیغام حق فروری ۱۹۳۸ء ص ۸۳۔

اس سلسلہ میں مودودی صاحب کے ایک دیرینہ واقف کار اور ۳۵ سال سے جاننے والے کے خیالات بھی ملاحظہ فرمائیے

"مودودی صاحب اس بات کے سخت مخالف تھے کہ مذہبی لائنوں پر مذہبی نام سے کوئی جماعت بنائی جائے۔ کیوں اس سے

اسلام میں فرقہ بندی زیادہ ہوتی ہے۔" محمد محترم انصاری وجنگ کراچی ۱۴؍نومبر ۱۹۴۹ء۔

شروع شروع میں مودودی صاحب کے یہی خیالات تھے کہ مسلمانوں میں نئی نئی جماعتوں سے اختلاف اور انتشار پیدا ہوتا ہے۔ اور اس نظریہ کو آپ مذہبی اور سیاسی نقطہ نظر سے غلط سمجھتے تھے۔ لیکن معلوم نہیں کہ بعد میں کیا حالات پیش آئے جس کی وجہ سے خود وضع کردہ اصول و قوانین توڑنے پڑے۔

ممکن ہے کسی کے اشارہ ابرو اور خفیہ معاہدہ سے اس کی ضرورت داعی ہوئی ہو۔ والغیب عند اللہ۔

بہرحال اس کے تین سال بعد ہی موصوف نے ایک پارٹی بنام "جماعت اسلامی" تشکیل کی۔ اور خود اس کے امیر بن گئے۔ اس جماعت کی بنیاد ۲۵؍اگست ۱۹۴۱ء کو لاہور میں رکھی گئی۔ آگے بڑھنے سے پہلے ذرا امیر جماعت اسلامی کا حلیہ بھی دیکھتے چلئے۔

مودودی صاحب کی قلمی تصویر

۱۹۳۷ء کی ایک سرد شام کو خلافت ہاؤس کے مہمان خانے میں۔ ایک نئی صورت نظر آئی۔ میانہ قد، دوہرا بدن، سر پر ترکی ٹوپی ہلکی گڈھ

کرٹ پاجامہ۔ حیدرآبادی وضع کی شیروانی، ڈاڑھی ندارد،
غالباً مونچھیں بھی منڈی ہوئیں انگریزی تراش کے بال خوبصورت
چہرہ، بڑی، بڑی آنکھیں۔ کچھ خاموش خاموش کچھ الگ تھلگ
سے، میں نے، مولینا عرفان سے پوچھا آپ کی تعریف ؟
فرمایا ابوالاعلیٰ مودودی (دیدوشنید از رئیس احمد جعفری)

آغاز میں ہم کیا تھے ۔:۔ انجام میں کیا ہیں

گویا پہلے "جدید" تھے۔ اور بعد میں "قدیم" بن گئے۔ مندرجہ
اقتباس سے معلوم ہوا کہ مودودی صاحب اپنی رائے کو بدل
لینے کے دائم المریض ہیں۔ قدیم وجدید کے اس عجائب المخلوقات
ملغوبہ نے جو خبر قدیم وجدید کی لی ہے۔ اور ان دونوں میں جو
طبقاتی جنگ اور منافرت پیدا کردی ہے اس کی واضح مثالیں
مودودی صاحب کی کتب میں موجود ہیں۔ بہرحال چونکہ ان کی زندگی
کا آغاز بطور جرنلسٹ ہوا۔ اور جمیعتہ العلماء ہند کے دامن سے
وابستہ ہونے کی وجہ سے نیم مذہبی، نیم سیاسی مباحث کا تذکرہ ان
کی زبان وقلم سے ہوتا رہا ہے۔

۱۹۳۷ء میں انھوں نے ترجمان القرآن میں اسلامی ہندوستان
کے متعلق چند سیاسی مضامین لکھے ۔

جو بعد میں "مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش" حصہ اوّل
کے عنوان سے مدون ہوئے۔ مودودی صاحب نے اس عنوان
پر مختلف موقعوں پر تین رسالے لکھے۔ جو موضوع کے لحاظ سے مختلف
ہیں۔ اس موضوع میں ربط پیدا کرنے کے لئے خود فرماتے ہیں،
"مسلمان اور موجودہ کشمکش کے عنوان سے میرے مضامین کے
دو مجموعے اس سے پہلے شائع ہو چکے ہیں۔ اب اس سلسلہ کا یہ تیسرا
مجموعہ شائع کیا جا رہا ہے۔، بظاہر پہلے مجموعوں سے اس تیسرے
مجموعہ کا فاصلہ اتنا زیادہ ہے۔ کہ ایک شخص بادی النظر میں یوں
محسوس کریگا کہ میں نے حصہ دوئم کے بعد سے یکایک اپنی پوزیشن
بدل دی ہے۔ اور خود اپنی بہت سی کہی ہوئی باتوں کی تردید
کرنے لگا ہوں۔ لیکن دراصل ان تینوں مجموعوں میں ایک نصب العین
کی طرف تدریجی ارتقاء ہے"۔ اس تدریجی ارتقاء کا باعث یہ ہی
کہ جب حصہ اول ترتیب دیا جا رہا تھا۔ اس وقت مسلم لیگ
جسد بے روح تھی۔ اور قائداعظم اس میں جان ڈالنے کی کوشش
کر رہے تھے۔ اس وجہ سے انہوں نے اس پر توجہ نہیں مبذول فرمائی اور
نہ ہی اس کو کوئی حیثیت دی۔ حصہ اول چونکہ ابتدائی مضامین کا
مجموعہ ہے۔ اور اس میں ان ہی خیالات کا اظہار ہے۔ جو مودودی

صاحب کے دماغ میں ہیولیٰ کی حیثیت رکھتے تھے۔ اس وقت ان
کا مطمع نظر درج ذیل تھا۔

"ہمیں اس امر کی کوشش کرنی چاہئے کہ جمہور مسلمانوں کی قیادت
کا منصب نہ انگریز کے غلاموں کو حاصل ہو سکے۔ نہ ہندو کے
غلاموں کو بلکہ ایک ایسی جماعت کے قبضہ میں آجائے جو ہندوستان
کی کامل آزادی کے لئے دوسری ہمسایہ قوموں کے ساتھ اشتراک
عمل کرنے پر دل سے آمادہ ہو۔ مگر اسلامی مفاد کو کسی حال میں
قربان کرنے پر آمادہ نہ ہو۔" صـ۴۴ ـ حصہ اوّل

سیاسی کشمکش کا دوسرا حصہ دسمبر ۱۹۳۸ء میں شایع ہوا۔
اس میں انہوں نے زیادہ تر زور کانگریس اور جمیعتہ علماء ہند
کی مخالفت پر دیا۔ اور ضمنی طور پر بغیر نام لئے مسلم لیگ کی
قیادت پر بھی الزام تراشے۔ اور وہی الزام لگائے جو مذکورہ جماعتوں
پر لگائے گئے تھے۔ چنانچہ اس حصہ کے آخر میں لکھتے ہیں۔

"مسلمان انتہا درجہ کے نادان ہوں گے۔ اگر وہ اب بھی حالات
کی نزاکت کو ٹھیک ٹھیک نہ سمجھیں گے۔ وہ ابھی تک اس دھوکے
میں پڑے ہوئے ہیں۔ کہ ان کو یہ نمائشی جلسے اور جلوس اور کھوکھلے
مظاہرے قومی ہلاکت سے بچا لیں گے۔ وہ ان لوگوں کی لیڈری پر

اعتماد کر رہے ہیں۔ جن کے سامنے اپنی وزارت اور وجاہت کے
سوا کوئی چیز نہیں۔ جو اپنی قوم کے لئے اپنا بال بیکا ہونا گوارا نہیں
کر سکتے۔ جو مسلمانوں کے مفاد کا نام صرف اس لئے بلند آہنگیوں
کے ساتھ لیتے ہیں کہ ایوان وزارت پر ان کا قبضہ رہے۔ جن
کی بزدلی پر دشمنوں کو پورا پورا اعتماد ہے۔ جنہیں چیلنج کیا جاتا ہے
کہ اگر تم ہمارے ساتھ جیل میں جانے اور لاٹھیاں کھانے کو تیار ہو
تو ہم تمہاری ہر بات ماننے کے لئے تیار ہیں۔ اور وہ اس چیلنج کو
قبول کرنے کی بجائے کنی کاٹ جاتے ہیں۔ جن کا حال یہ ہے کہ یورپ
میں سرکار برطانیہ کو جنگ کا خطرہ پیش آتا ہے۔ تو یہ سب سے پہلے
آگے بڑھ کر اپنی وفادارانہ خدمات پیش کرتے ہیں۔ ایسے لیڈروں
سے اگر مسلمان یہ توقع باندھے بیٹھے ہیں کہ وہ ان کی کشتی کو بھنور
سے نکال لیں گے۔ تو میں پیشن گوئی کرتا ہوں۔ کہ ان کی کشتی
ڈوب کر رہے گی۔" صـ۲۱۵، صـ۲۱۶

چونکہ سیاسی کشمکش کے پہلے اور دوسرے حصہ تک مسلم لیگ
کی نئی تنظیم ابتدائی حالت میں تھی۔ اس لئے ان دونوں حصوں
میں لیگ کے متعلق ان کے تفصیلی اور واضح خیالات نہیں ملتے
ہاں کہیں ضمنی طور پر ذکر آ گیا تو وہ دوسری بات ہے۔ ویسے بھی

مسلم لیگ اور اس کی سیاسی قیادت کو حقارت سے زیادہ
کسی چیز کا مستحق نہ سمجھتے تھے۔

لیکن چونکہ مسلم لیگ روز بروز مقبول ہوتی جارہی تھی اور
اس کی قیادت بھی مسلم عوام کی مسلمہ حقیقت بن رہی تھی۔ اس لئے
مودودی صاحب کو فکر لاحق ہوئی کہ کیوں نہ اس کے خلاف لکھا
جائے۔ چنانچہ آپ نے سیاسی کشمکش کا تیسرا حصہ ترتیب دیا۔ اور اس
میں ایک مستقل عنوان "پاکستانی خیال کے لوگ" تھا۔ اس میں
تحریک پاکستان اور لیگی قیادت پر طرح طرح کے اعتراضات اور
الزامات تھے۔ اور چونکہ ان کے یہ خیالات اپنے مصداق کے
لحاظ سے ایک دوسرے کے ضد معلوم ہوتے تھے۔

اس لئے اپنی اس قلابازی کو تیسرے حصہ میں یوں بیان
فرمایا کہ دراصل ان تینوں مجموعوں میں ایک نصب العین
کی طرف تدریجی ارتقاء ہے۔ ان شکوک و الزامات کا ہدف
صرف مسلم لیگ ہی نہیں تھی بلکہ تمام سیاسی اور مذہبی جماعتیں
بھی مورد الزام اور حرف باطل تھیں۔ جیسا کہ آپ آگے دیکھیں گے

مودودی اور سیاسی جماعتیں

"اس وقت ہندوستان میں مسلمانوں کی جو مختلف جماعتیں اسلام کے نام پر
کام کر رہی ہیں۔ اگر فی الواقع اسلام کے معیار پر ان کے نظریات، مقاصد اور کارناموں
کو پرکھا جائے تو سب کی سب جنس کاسد نکلیں گی۔ خواہ مغربی تعلیم و تربیت پائے ہوئے
سیاسی لیڈر ہوں یا علمائے دین و مفتیانِ شرع مبین دونوں قسم کے رہنما اپنے نظریہ اور
پالیسی کے لحاظ سے یکساں گم کردہ راہ ہیں دونوں راہِ حق سے ہٹ کر تاریکیوں میں
بھٹک رہے ہیں" سیاسی کشمکش سوم ص۷۷

"اگر واقعہ یہی ہے اور مسلمانوں کی اصلی حیثیت ایک عالمگیر اصولی تحریک کے
پیروؤں اور داعیوں کی ہے۔ تو سارے مسائل ایک قلم اڑ جاتے ہیں۔ جن پر اب
تک مسلمانوں کے سیاسی و مذہبی رہنما وقت ضائع کرتے رہے ہیں۔ پوری صورت
حال بالکل بدل جاتی ہے، مسلم لیگ۔ احرار، خاکسار، جمعیۃ العلماء اور آزاد کانفرنس
سب کی اس وقت تک کی تمام کارروائیاں حرفِ باطل کی طرح محو کر دینے کے لائق
ٹھہرتی ہیں" سیاسی کشمکش سوم ص۹۰

مودودی صاحب کی نظر میں کوئی بھی ادارہ، سیاسی ہو یا مذہبی "قابلِ اعتنا

نہیں ہے۔ آپ نے مذکورہ بالا اقتباسات سے اندازہ لگالیا ہوگا کہ سیاسی لیڈر
علماء دین اور مفتیانِ شرعِ متین اپنی پالیسی اور نظریہ کے لحاظ سے گم کردہ راہ ہیں
آپ اس نظریہ کا تجزیہ کریں گے تو یہ امر بخوبی واضح ہوجائے گا کہ مودودی کی تنقید
اصولی نہیں بلکہ جذباتی ہیں اور انداز سے شدت اور تحقیر کا مظاہرہ ہوتا ہے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے ذاتی نفرت کا اظہار اس لئے کیا جارہا ہے تاکہ قاری کے
دل میں نفرت و حقارت پیدا کردے اور مودودی صاحب کی بعض دوسری تحریروں
سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جذبہ تحقیر آپ کی طبیعت ثانیہ بن چکا ہے چنانچہ خود ہی تحریر فرماتے
ہیں۔ کہ میری کوئی تحریر ایسی نہیں جس سے کسی گروہ کو چوٹ نہ لگی ہو۔ اور مسلمانوں
کے کسی گروہ کو ناگوار نہ گزری ہو اور اگر میں اس رویہ سے بچنے کی کوشش کروں
تو شاید کچھ بھی نہ لکھ سکوں۔ مودودی صاحب کے الفاظ یہ ہیں۔

"میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اب تک میں نے کوئی چیز ایسی نہیں لکھی
جس پر کسی نہ کسی گروہ کو چوٹ نہ لگی ہو اور اگر میں یہ فیصلہ کرلوں کہ کوئی ایسی چیز
نہ لکھی جائے جو مسلمانوں کے کسی گروہ کو ناگوار نہ ہو تو شاید کچھ بھی نہ لکھ سکوں"

(رسل و مسائل ص ۲۸۳)

آپ مخلی بالطبع ہوکر غیر جانبدارانہ غور فرمائیں کہ ایسا شخص مذہبی اور سیاسی
قیادت کے لائق ہے؟ یا تحلیلِ نفسی کے کسی دارالشفاء میں سزاوار داخلہ۔ کیا پاکستان
ایسے عصبی مریضوں کے لئے دارالتجربہ ہے؟

؎ ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں

بہرکیف تمام سیاسی اور مذہبی جماعتوں، نیز مودودی صاحب کی افتادِ طبع
سے مجھے بحث کرنا مقصود نہیں وہ جو کچھ بھی ہیں سو ہیں۔ لیکن میرا موضوع بحث
فی الحال مسلم لیگ، قائد اعظم اور پاکستان ہے۔

سب سے پہلے آپ مسلم لیگ کے متعلق دیکھئے کہ مودودی صاحب نے مسلمانوں
کی اس نمائندہ جماعت کو کن کن الفاظ اور کن کن خطابات سے یاد فرمایا ہے۔ مسلم لیگ
کے متعلق آپ کا خیال ۱۹۴۶ء میں یہ تھا۔ جو درج ذیل ہے۔

"مسلم لیگ کے متعلق پہلی بات تو یہ سمجھ لیجئے کہ اس کے بنیادی تصورات
اس کا نظامِ ترکیبی، اس کا مزاج، اور اس کی اسپرٹ، اس کا طریق کار اور اس کے
مقاصد سب کچھ وہی ہیں جو قومی اور قوم پرستانہ تحریکوں کے ہوا کرتے ہیں۔ یہ اور
بات ہے کہ یہ مسلمانوں کی قومی تحریک ہے اور مسلمانوں کی ہر چیز "اسلامی" بن جایا
کرتی ہے، اس لئے خواہ مخواہ اسے بھی اسلامی تحریک سمجھ لیا گیا ہے۔ لیکن واقعہ یہ
ہے کہ اسلامی تحریک اپنی نوعیت کے اعتبار سے بالکل ایک دوسری ہی چیز ہے جس کا کوئی
شائبہ بھی مسلم لیگ کی قومی تحریک میں نہیں پایا جاتا۔ اور یہ کسی طرح ممکن نہیں کہ اسلام
اپنے مخصوص طریق کار سے جس منزل تک پہنچنا چاہتا ہے۔ اس تک آپ ایک
قوم پرستانہ تحریک کے ڈھنگ اختیار کرکے پہنچ جائیں۔ ہر منزل اپنی فطرت کے
لحاظ سے اپنی ہی ایک مخصوص راہ رکھتی ہے۔ آپ اسلام کی منزلِ مقصود کو پہنچنا

چاہیں تو آپ کو اسلامی تحریک ہی کی مقصود راہ کو سمجھنا اور اسے اختیار کرنا پڑے گا۔ قوم پرستی کے طریقے اختیار کر کے آپ قومیت کی منزلِ مقصود تک پہنچ سکتے ہیں مگر یہ توقع کرنا انتہائی پراگندہ خیالی ہے کہ ان ڈھنگوں سے آپ اسلامی منزلِ مقصود تک جا پہنچیں گے۔ اس نکتہ کی توضیح کا یہاں موقع نہیں ہے۔ میں "مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش حصہ سوم" میں تفصیل کے ساتھ یہ بتا چکا ہوں کہ ایک اصولی تحریک اور ایک قوم پرستانہ تحریک میں کیا فرق ہوتا ہے۔ ضرورت ہو تو پھر اس کی تشریح کر سکتا ہوں۔ یہاں میں اشارۃً صرف اتنی بات واضح کر دینا کافی سمجھتا ہوں کہ ایک اصولی تحریک کے کارکنوں کو یہ خبر دینا کہ تمہارے لئے ایک قوم پرستانہ تحریک نے بڑے اچھے مواقع پیدا کر دئے ہیں۔ کسی بصیرت اور معاملہ فہمی کا ثبوت نہیں ہے۔ اس کی مثال تو بالکل ایسی ہے جیسے کسی عازم کلکتہ کو یہ خبر دی جائے کہ کراچی میل کھڑا ہے۔

اُن کی یہ خوشخبری کسی حد تک اگر صحیح ہو بھی سکتی تھی تو شاید اس صورت میں ہوتی جب کہ مسلمانوں کی اس قوم پرستانہ تحریک میں کم از کم ثانوی حیثیت ہی سے مذہب کا پورا زور اور اثر موجود ہوتا۔ لیکن افسوس ہے کہ یہاں اس کا بھی فقدان ہے بلکہ یہ کہنا زیادہ صحیح ہے کہ مسلم لیگ فی الواقع مسلمانوں کو اسلام اور اس کی تہذیب اور اس کے احکام کی اطاعت سے روز بروز دور ترلے جا رہی ہے" ترجمان القرآن جلد ۲۸ عدد ۳ ص ۱۵۸-۱۵۹

مودودی صاحب کا یہ اظہار خیال فروری ۱۹۴۶ء میں تھا۔ اس کے کوئی

سوا سال بعد ۱۷-۱۸- اپریل ۱۹۴۷ء کو یعنی قیام پاکستان سے کوئی چار مہینے پہلے ٹونک میں اسلامی جماعت کا ایک اہم جلسہ ہوا اس میں مودودی صاحب سے مسلم لیگ کے بارے میں سوال ہوئے جن کے جواب مودودی صاحب نے دئے۔ یہ سوال وجواب درجِ ذیل ہیں = سوالات۔

۱- یہ تسلیم ہے کہ مسلم لیگ کے پیشِ نظر جو پروگرام ہے۔ وہ غیر اسلامی ہے لیکن اس وقت صورتِ حال یہ ہے کہ مسلمانوں کی اکثریت دین سے ناواقف ہے۔ علماء نے انھیں اسلام سمجھانے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ وہ اپنے سیاسی لیڈروں کے بتلائے ہوئے راستہ کو ہی صراطِ مستقیم اور اسلام کا صحیح راستہ سمجھ رہے ہیں اور غیر مسلم قومیں ان کے وجود کو مٹانے کے لئے سفاکی وخونریزی سے کام لے رہی ہیں ان حالات میں ان کی مظلومی میں جماعت ان کا ساتھ کیوں نہ دے اور غیر مسلموں سے اس مدافعانہ جنگ میں شریک کیوں نہ ہو۔

۲- اس وقت برطانیہ ہندوستان کی حکومت ہندوستانیوں کے سپرد کر رہا ہے اور اس کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ ہندوؤں کا حصہ ہندوؤں کے حوالہ کیا جائے۔ اور مسلمانوں کا حصہ مسلمانوں کے حوالہ کیا جائے۔ اور دوسری یہ کہ پورے ملک کی باگ ڈور اکثریت یعنی ہندوؤں کے حوالہ کر دی جائے۔ ظاہر ہے کہ اگر آپ نے مسلم لیگ کا ساتھ نہ دیا تو غیر مسلم اکثریت سارے ملک پر اور مسلمانوں پر مسلّط ہو جائے گی"

"ان سوالوں کا واضح مطلب یہ ہے کہ موجودہ حالات میں مسلمانوں کی اس
قومی تحریک کا ساتھ دیا جائے اور جب یہ حالات ختم ہو جائیں تو پھر ان کا ساتھ
چھوڑ دیا جائے۔ کیونکہ اسے تو سائل صاحب خود بھی تسلیم کرتے ہیں کہ یہ تحریک
غیر اسلامی ہے۔ مگر میں ان کو یقین دلاتا ہوں کہ جس قسم کے حالات دیکھ کر وہ ہم سے
اس وقت یہ مطالبہ کر رہے ہیں۔ ایسے حالات کبھی ختم نہ ہوں گے۔ مسائل پر مسائل
پیدا ہوتے جائیں گے۔ اور ہر مسئلہ پہلے مسئلے سے شدید تر ہوگا۔ اور آپ کہیں بھی
لکیر نہیں کھینچ سکیں گے۔ کہ فلاں حد تک تو ہم ان قومی تحریکوں کا ساتھ دیں گے
اور وہاں پہنچ کر ان کا ساتھ چھوڑ دیں گے۔ یہ تو ہے اس سوال کا ایک رخ
دوسرا رخ۔ جو اس سے کہیں زیادہ قابل غور ہے۔ وہ یہ ہے کہ جب آپ ایک
تحریک کو خود غیر اسلامی مان رہے ہیں تو پھر کس منہ سے ایک مسلمان سے یہ مطالبہ
کرتے ہیں کہ ان کا ساتھ دیا جائے۔ جن مسائل اور مصائب کا اس قدر رونا
رویا جا رہا ہے۔ یہ مسائل اور مصائب سرے سے پیدا ہی نہیں ہوتے۔ اگر
مسلمان اسلام کے فی الواقع سچے نمائندے ہوتے۔ یہ لوگ ہندوستان کے
ایک ذرا سے کونے میں پاکستان بنانے کو اپنا انتہائی مقصد بنائے ہوئے ہیں۔
لیکن اگر یہ فی الواقع خلوص قلب سے اسلام کی نمائندگی کے لئے کھڑے ہو جائیں
تو سارا ہندوستان، پاکستان بن سکتا ہے۔ اور اس میں ایک لادینی جمہوری حکومت

یا عوامی پارلیمنٹری حکومت، نہیں بلکہ خالص خدا کی حکومت کتاب وسنت کے
اصول پر قائم ہو سکتی ہے۔ اسلام کی لڑائی اور قومی لڑائی ایک ساتھ نہیں لڑی
جا سکتی۔ اگر لوگ اسلام اور اسلامی طریق کار کو اپنی خواہشات نفس کے خلاف
پا کر ان کو ترک کر دینا چاہتے ہیں تو ہیر پھیر کے راستوں سے آنے کے بجائے
صاف صاف کیوں نہیں کہتے کہ اللہ اور رسولؐ کے کام کو چھوڑئے اور ہمارے
نفس کے کام میں حصہ لیجئے۔" ترجمان القرآن جلد ۲۸ عدد ۳ ص ۱۵۸-۱۵۹

مودودی صاحب کی ہر دو عبارات کا تجزیہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ قومی
اور اسلامی خدمات دو علیحدہ علیحدہ خدمات ہیں جو بیک وقت کوئی جماعت
نہیں کر سکتی اور پاکستان کا نظریہ دراصل اسلام کو ایک کونے میں سمیٹ
دینے کا نام ہے۔ اور مسلمانوں کا ساتھ ان کی مظلومی کی حالت میں بھی نہیں
دیا جا سکتا، پاکستان کیا ہوگا مسائل در مسائل اور مصائب در مصائب
کی آماجگاہ۔ اور مسلمانوں نے خواہ مخواہ تحریک مسلم لیگ کو اسلامی تحریک
سمجھ لیا ہے۔ اور اس تحریک کے ذریعہ اسلامی منزل مقصود تک نہیں
پہنچ سکتے۔

مودودی کا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کی جماعت مسلم لیگ اور اس
کا نظریہ پاکستان دونوں غلط ہیں۔ اور ایک اسلام پسند شخص کو ایسی
جماعت کے ساتھ شریک نہیں ہونا چاہیئے۔

تاریخ کے صفحات جہاں جماعتوں اور افراد کے سنہری کارناموں
کو اپنے دامن میں محفوظ کئے ہوئے ہیں ۔ وہاں ان روسیاہ جماعتوں
اور افراد کا ذکر بھی بار بار آتا ہے ۔ جنھوں نے فہم و ادراک کی کمی اور
بے بصیرتی کی وجہ سے مشکلات اور ابتلاء کے نازک دور میں ان کے
مقصدِ حیات، نظریہ حیات، اور منزلِ حیات سے انحراف یا مخالفت
کر کے انھیں شدید نقصان پہنچایا۔ اور ہمیں یہ کہتے ہوئے ندامت ہو رہی ہے
کہ یہ تاریخی غلطی مودودی سے بھی سرزد ہوئی ۔

مودودی اور قائدین مسلم لیگ

مودودی صاحب شروع ہی سے تحریک پاکستان، مسلم لیگ،
قائداعظم رح اور خود مطالبہ پاکستان کی سخت مخالفت کرتے رہے ہیں
لیکن اب اگر ان کی تحریرات سے یہ ثابت کیا جاتا ہے ۔ تو طرح طرح
کے حیلہ حوالے کئے جاتے ہیں ۔ حالانکہ یہ ایک ثابت شدہ حقیقت ہے
اور مجال انکار نہیں۔ لیکن چونکہ مودودی صاحب کے نزدیک جھوٹ
بولنا اور مصلحت وقت کے ماتحت مکر جانا بھی ایک سیاسی ضرورت
ہے۔ جس سے ہر وقت فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے ۔ بہرکیف آپ موصوف
کی تحریرات کے اقتباسات سے ہمارے مذکورہ بالا قول کی تصدیق
کریں گے ۔

"مگر افسوس کہ لیگ کے قائداعظم سے لے کر چھوٹے مقتدیوں
تک ایک بھی ایسا نہیں۔ جو اسلامی ذہنیت اور اسلامی طرزِ فکر رکھتا
ہو۔ اور معاملات کو اسلامی نقطہ نظر سے دیکھتا ہو۔ یہ لوگ مسلمان
کے معنی و مفہوم اور اس کی مخصوص حیثیت کو بالکل نہیں جانتے۔ ان
کی نگاہ میں مسلمان بھی ویسی ہی ایک قوم ہیں ۔ جیسی دنیا میں دوسری

قوییں ۔ اور یہ سمجھتے ہیں کہ ہر ممکن سیاسی چال اور ہر مفید مطلب
سیاسی تدبیر سے اس قوم کے مفاد کی حفاظت کر دینا ہی بس
اسلامی سیاست " ہے حالانکہ ایسی ادنیٰ درجہ کی سیاست کو اسلامی
سیاست کہنا اسلام کے لئے ازالۂ حیثیت عرفی سے کم نہیں ،، سیاسی
کشمکش سوم صـ۳۰ ۔

قائداعظم مرحوم کی اسلامی ذہنیت کا استہزاء کرنے سے پہلے اگر
موصوف کے خیالات کو دیکھ لیا جاتا تو شاید ان کے قابل رشک مقام
سے کچھ آگاہی ہوجاتی۔ لیکن مجھے پھر بھی امید نہیں کہ آپ کی تشفی ہوتی
اس لئے کہ خوئے بد را بہانۂ بسیار ۔ ورنہ قائداعظم رح کے یہ الفاظ
جو انہوں نے اسلامی حکومت کے سلسلے میں فرمائے تھے ——
وہ آپ کی اسلامی سیاست اور دین سے وابستگی کا ناقابل تردید ثبوت
ہیں۔ ۱۹ اگست ۱۹۴۱ء کو قائداعظم رح عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد
(دکن) میں تشریف لے گئے ۔ اس موقعہ پر یونیورسٹی کے طلباء نے
قائداعظم رح سے جو اہم سوالات کئے اور قائداعظم رح نے جو جواب
دیئے اس کی تفصیل اورنیٹ پریس کی وساطت سے اخبارات میں
شایع ہوئی قائداعظم رح سے سوال کیا گیا ۔ کہ ۔
آپ کے نزدیک اسلامی حکومت کے لوازم کیا ہیں ؟

قائداعظم رح نے اس کا جواب بصیرۃ افروز دیا۔ وہ یہ تھا کہ اسلامی
حکومت کے تصور کا یہ امتیاز پیش نظر رہنا چاہئے ۔ کہ اس میں
اطاعت اور وفاکیشی کا مرجع خدا کی ذات ہے جس کی تعمیل کا
عملی ذریعہ قرآن مجید کے اصول اور احکام ہیں۔ اسلام میں اصلاً
نہ کسی بادشاہ کی اطاعت ہے ، نہ پارلیمان ، نہ کسی اور شخص یا ادارہ
کی قرآن کریم کے احکامات ہی سیاست ، معاشرت ، میں ہماری آزادی
اور پابندی کے حدود متعین کرتے ہیں ۔ اسلامی حکومت دوسرے الفاظ
میں قرآنی اصولوں اور احکام کی حکمرانی ہے ۔ اور حکمرانی کے لئے
آپ کو لامحالہ علاقہ اور مملکت کی ضرورت ہے،، قائداعظم یہ صراحت پاکستان
کے تصور کی نہایت ہی اعلیٰ مفکرانہ اور فلسفیانہ وضاحت ہے۔ ایک
دوسرے موقعہ پر عید کا پیغام دیتے ہوئے ارشاد فرمایا ،، اس حقیقت
سے سوائے جہلاء کے ہر شخص واقف ہے کہ قرآن مسلمانوں کا ضابطۂ
اخلاق ہے ۔ جو مذہب و معاشرت ، تجارت ، عدالت ، فوج ، سول
اور فوجداری کے تمام قوانین کو اپنے اندر لئے ہوئے ہے ۔ مذہبی
رسوم ہوں یا روزمرہ کی زندگی کے عام معاملات ، روح کی نجات کا
سوال ہو یا بدن کی صفائی کا ، اجتماعی واجبات کا مسئلہ
ہو۔

ہو یا انفرادی حقوق کا۔ ان تمام معاملات کے لئے اس ضابطے میں قوانین
موجود ہیں" (عید کا پیغام ۱۹۴۵ء)

" وہ کونسا رشتہ ہے جس میں منسلک ہونے سے تمام مسلمان جسد
واحد کی طرح ہیں۔ وہ کونسی چٹان ہے جس پر ان کی ملت کی عمارت
استوار ہے۔ وہ کونسا لنگر ہے جس سے اس امت کی کشتی محفوظ کردی
کردی گئی ہے۔ وہ بندھن۔ وہ رشتہ۔ وہ چٹان۔ وہ لنگر۔ خدا کی عظیم
کتاب قرآن کریم ہے۔ مجھے یقین کامل ہے کہ جوں جوں ہم آگے بڑھتے
جائیں گے۔ ہم میں زیادہ سے زیادہ وحدت پیدا ہوتی جائے گی ایک
خدا۔ ایک رسول۔ ایک کتاب۔ ایک امت۔" (لیگ سیشن ۱۹۴۳ء)

اس کے بعد انصاف کی نظر سے دیکھئے کہ مودودی صاحب کے
درج ذیل قول میں کہاں تک صداقت ہے "افسوس کہ لیگ کے
قائد اعظم رح سے لے کر چھوٹے مقتدیوں تک ایک بھی ایسا نہیں جو اسلامی
ذہنیت اور اسلامی طرز فکر رکھتا ہو اور معاملات کو اسلامی نقطۂ
نظر سے پرکھتا ہو" ترجمان ذی الحجہ ۱۳۵۹ھ ص ۳۳

قائدین مسلم لیگ

قائد اعظم رح اور دیگر قائدین لیگ کے
متعلق مودودی صاحب کے خیالات و بیانات اس قدر وافر ہیں
کہ سب کا یک جا کرنا اگر ناممکن نہیں تو دشوار ضروری ہے ——

قائد اعظم کے متعلق تحریر کیا جا چکا ہے۔ اب دیگر قائدین کے متعلق
بھی تھوڑا سا پیش خدمت ہے۔ "جن کے خیالات، نظریات، اور طرز سیاست
اور رنگ قیادت میں خوردبین لگا کر بھی اسلامیت کی کوئی چھینٹ نہیں
دیکھی جا سکتی۔ ان کا یہ حال ہے کہ چھوٹے چھوٹے مسائل سے لے کر بڑے
بڑے مسائل تک کسی معاملہ میں بھی انہیں قرآن کا نقطہ نظر نہ تو معلوم
ہی ہے۔ اور نہ ہی اسے تلاش کرنے کی ضرورت محسوس کرتے ہیں۔ انہیں
نور ہدایت صرف مغربی قوانین و دساتیر ہی میں ملتا ہے" ترجمان القرآن
ذی الحجہ ۱۳۵۹ھ ص ۶۶

مودودی صاحب کے نزدیک کسی کے اچھے اور برے ہونے کے
لئے چند مخصوص پیمانے ہیں۔ جو صرف ان ہی کے وضع کردہ ہیں ورنہ کوئی
ایسی وجہ نہ تھی کہ حضرت تھانوی جیسے بزرگ جو کہ دین کے رنگ میں رنگے
ہوئے تھے۔ لیگ میں شمولیت کا فتویٰ صادر فرماتے۔ اگر بقول
مودودی صاحب لیگ اسلامی نقطہ نظر سے اتنی ہی قبیح چیز تھی تو
ایک عالم دین نے لوگوں کو اس میں داخل ہونے کے لئے کیوں
کہا۔ حالانکہ حضرت تھانوی کے سامنے قائد لیگ کے چند نقائص
بھی بیان کر دئیے گئے تھے۔ اس زمانہ کی صورت کے لحاظ سے جو کچھ
حضرت تھانوی نے فرمایا تھا۔ ملاحظہ فرمائیے۔

"سوال - از (مولوی) منفعت علی (صاحب) ممبر مسلم لیگ سہارنپور
"مسلم لیگ کی قیادت اس وقت مسٹر محمد علی جناح کے ہاتھ میں
ہے۔ گو مسٹر محمد علی جناح آبائی شیعہ ہیں۔ اور کوئی متقی شخص
نہیں۔ لیکن سیاست میں بہترین شخص سمجھے جاتے ہیں۔ اس کے کانگریس
والے بھی معترف ہیں۔ اور یہ بھی جانتے ہیں کہ وہ سرکاری آدمی نہیں
ملک اور قوم کی آزادی کے لئے اس کے دل میں درد ہے"

سوال بالکل واضح ہے۔ مودودی صاحب اس سے زیادہ ان
میں کیا نقائص نکالیں گے۔ ان سب کے باوجود حضرت تھانوی کا
جواب لائق مطالعہ اور قابل غور ہے۔ جواب حضرت تھانوی رحمہ

"شرح صدر کے ساتھ میری یہ رائے قایم ہوئی ہے کہ مسلمانوں
کو اطمینان و توکل کے ساتھ مسلم لیگ میں داخل ہونا چاہئے"
(منقولہ از رسالہ "المفتی" بابت محرم ۱۳۵۷ھ ص ۵، ۶
جلد چہارم مدیر حضرت مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی)

اس سوال وجواب کو ذہن میں رکھتے ہوئے مودودی صاحب
کے درج ذیل بیان کو بغور مطالعہ فرمائیے۔

"علیٰ ہٰذا القیاس مسلمانوں کے رہنما بھی صرف وہی لوگ ہوسکتے
ہیں۔ جو سب سے پہلے اسلامی تحریک کا مقصد، اصول اور طریق کار
کو جانتے ہوں۔ اور اہل تقویٰ و دیانت ہوں۔ باقی رہے وہ لوگ جو سرے

سے اسلام کا علم ہی نہ رکھتے ہوں یا ناقص علم کی بنا پر اسلام اور
جاہلیت کو خلط ملط کرتے ہوں اور پھر تقویٰ و دیانت کی کم سے کم
ضروری شرائط سے بھی عاری ہوں تو اسے لوگوں کو محض اس لئے
مسلمانوں کی قیادت کا اہل قرار دینا کہ مغربی سیاست کے ماہر یا
مغربی طرز تنظیم کے استاد فن ہیں اور اپنی قوم کے عشق میں ڈوبے ہوئے
ہیں سراسر اسلام سے جہالت اور غیر اسلامی ذہنیت ہے" سیاسی
کشمکش سوم ص ۷۵۔

بادنیٰ التعمق یہ چیز سمجھ میں آسکتی ہے۔ کہ مودودی صاحب کے
الفاظ "سراسر اسلام سے جہالت اور غیر اسلامی ذہنیت" کا اطلاق
کس پر ہو رہا ہے۔ حضرات علماء کرام اور خصوصاً خلفاء حضرت
تھانوی کے لئے لمحۂ فکریہ ہے۔

کیا حضرت تھانوی مودودی صاحب کے مذکورہ الفاظ کا
مصداق ہیں؟ اگر نہیں تو پھر مودودی کی مخالفت سے کیوں ہچکچایا جایا
رہا ہے۔ اور مقابلہ کی وہ صورت کیوں اختیار نہیں کی جاتی جو اختیار
کرنی چاہئے۔ مودودی صاحب کا مذہب الگ اور سیاست الگ، جو
علماء کے مذہبی اور سیاسی نقطہ نظر سے کوئی میل نہیں کھاتی۔ پھر کیا
علماء کا یہ فرض نہیں کہ عوام کو تحریک مودودی کے مضرات سے آگاہ کرکے

ان کو اس تحریک سے علیحدہ اور مجتنب رہنے کی تلقین کی جائے ؟
دیکھئے مودودی صاحب اپنے نقطۂ نظر کو کیسے بے باکانہ رنگ میں پیش کرتے ہیں۔ خواہ وہ حقیقت سے کتنا ہی دور کیوں نہ ہو۔
"عموماً جو اجتماعی تحریکیں مسلمانوں میں پھیل رہی ہیں۔ وہ اسلامی نقطہ نظر سے غلط ہیں، ان کے مقاصد میں غلطی ہے۔ ان کے طریقہ کار میں غلطی ہے۔ ان کی قیادت میں غلطی ہے، اور ان کی روحی کیفیت میں غلطی ہے۔ بہت سے لوگوں کو تو بے شعوری کی وجہ سے اس غلطی کا احساس نہیں ہوتا۔ اس لئے وہ جوش و خروش کے ساتھ ان تحریکوں کو چلاتے ہیں۔ ان کے نزدیک کسی تحریک کے درست ہونے کے لئے بس یہ ہی بات کافی ہے۔ کہ اس میں "مسلمانوں کا فائدہ" ہے سیاسی کشمکش سوم ص ۳۴ -

اس میں علماء کرام اور خواص امت کے لئے درس عبرت ہے

فاعتبروا یا اولی الابصار

مودودی اور پاکستان

مودودی صاحب نہ صرف پاکستان اور نظریہ پاکستان کے خلاف رہے ہیں بلکہ وہ بحیثیت مسلمان، آزادی وطن کے بھی مخالف تھے۔ چنانچہ ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں۔ "مسلمان ہونے کی حیثیت سے میرے نزدیک یہ امر بھی کوئی قدر و قیمت نہیں رکھتا کہ ہندوستان کو انگریزی امپیریلزم سے آزاد کرایا جائے"
(سیاسی کشمکش سوم ۷۷ -)

مودودی صاحب کا جو بھی کام ہوتا ہے وہ اسلام کی نمائندگی کرتے ہوئے ہوتا ہے۔ غور فرمائیے کہ آزادی وطن بھی ان کے نزدیک کوئی قدر و قیمت نہیں رکھتی ۱۷۵۷ء یا ۱۸۵۷ء کے خونچکاں واقعات اور علماء و صلحاء کی قربانیاں جو استخلاص وطن کے لئے دی گئیں وہ سب اکارت تھیں۔ اور وہ بحیثیت مسلمان نہیں تھیں۔ بریں عقل و ہمت بباید گریست

"یہ تعداد کی بناء پر قومی حکومت کے مطالبے، یہ اکثریت و اقلیت کے نزحے، یہ تحفظات اور حقوق کی چیخ و پکار، یہ انگریزی سلطنت، اور والیان ریاست کے ظل عاطفت میں قومی مفاد کی تدبیریں اور دوسری طرف آزادی

وطن کے نعرے اور پنڈت نہرو کے شروں میں امپیریلزم کی مخالفت، یہ سب ہمارے لئے بکری کی بولیاں ہیں۔" سیاسی کشمکش سوم صـ۸

ظاہر ہے کہ مودودی صاحب اور ان کے صالحین نے انگریزوں سے وطن کو آزاد کرانے کے لئے کوئی جدوجہد نہیں کی اور نہ ہی اس سلسلہ میں کوئی قربانی دی بلکہ مخالفت کی جیسا کہ مذکورۃ الصدر اقتباسات سے معلوم ہوتا ہے۔ ہوسکتا ہے مودودی صاحب کے نزدیک یہ بھی کوئی اسلامی خدمت ہو۔ اور مسلمانوں کی حکومت سے انگریزی حکومت کا قائم رہنا مودودی صاحب کی کسی حدیثِ نفس کا تقاضہ ہو اور وہ نہ چاہتے ہوں کہ انگریزوں کا قدم ناہنجار ہندوستان سے باہر جائے۔ ایں کار از تو آید مرداں چنیں کنند۔

نظریہ پاکستان کی مخالفت

"اس کے بعد اس طریقہ کا جائزہ لیجیئے جس سے یہ بزعم خود اسلامی نصب العین تک پہنچنے کی امید رکھتے ہیں، ان کی تجویز یہ ہے کہ پہلے اسی جمہوری دستور کے مطابق جو انگریزی حکومت یہاں نافذ کرنا چاہتی ہے، مسلم اکثریت کے صوبوں میں مسلمانوں کی اپنی حکومت قائم ہوجائے پھر کوشش کیجائے گی کہ یہ قومی حکومت اسلامی نظامِ حکومت میں بتدریج تبدیل ہوجائے، لیکن یہ ویسی ہی غلطی ہے جیسی "آزادیٔ ہند" کو مقدم رکھنے والے حضرات کررہے ہیں۔ ان کی تجویز پر مجھے جو اعتراضات ہیں بعینہٖ وہی اعتراضات ان کی تجویز پر بھی ہیں۔ ان کا یہ خیال بالکل غلط ہے کہ مسلم اکثریت کے صوبوں میں حکومت جمہور کے اصول پر خودمختار حکومت کا آخر کار حاکمیت رب العالمین کے قیام میں مددگار ہوسکتا ہے۔" ترجمان القرآن محرم ۱۳۶۰ھ صـ۲۷

تحریک پاکستان کے دوران میں صورت حال یہ تھی کہ قائداعظمؒ کی قیادت میں مسلم لیگ کا مطالبہ یہ تھا کہ ہندوستان کے جن علاقوں میں مسلمانوں کی اکثریت ہے۔ انھیں ہندوستان سے الگ کردیا جائے تاکہ وہاں مسلمان اپنے نظریہ زندگی کے مطابق اسلامی انداز کی حکومت قائم کرنے کے قابل ہوسکیں۔ ہندوؤں کی کوشش یہ تھی کہ مسلمانوں کی زیادہ سے زیادہ تعداد کو مسلم لیگ سے الگ کرکے دنیا پر اس حقیقت کو واضح کردیا جائے کہ مسلمانوں کی اکثریت اس مطالبہ کی ہمنوا نہیں ہے۔ انھیں اس مذموم کوشش میں ناکامی ہوئی۔ اور مسلمانوں کی بہت بھاری اکثریت اس مطالبہ کی تائید کے لئے اٹھ کھڑی ہوئی۔ اور اپنے مقصد میں کامیاب ہوئی۔ لیکن اس وقت مودودی صاحب اور اس کے ہم نوا پاکستان کو ناممکن فرما کر مسلمان عوام کو مطالبۂ پاکستان سے متنفر فرمارہے تھے۔ اور اس کی مختلف طریقہ کار سے مخالفت کرکے اپنی خدمت اسلامی کا ثبوت مہیا فرمارہے تھے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:-

"بعض لوگ یہ خیال ظاہر کرتے ہیں کہ ایک غیر اسلامی طرز کا ہی سہی، مسلمانوں کا قومی اسٹیٹ قائم تو ہوجائے، پھر رفتہ رفتہ تعلیم و تربیت اور اخلاقی اصلاح کے ذریعہ سے اس کو اسلامی اسٹیٹ میں تبدیل کیا جاسکتا ہے۔ مگر میں نے تاریخ

سیاست ۔ اور اجتماعیت کا جو تھوڑا بہت مطالعہ کیا ہے اس کی بناء پر میں اس کو
ناممکن سمجھتا ہوں ۔ اور اگر یہ منصوبہ کامیاب ہو جائے تو میں اس کو ایک معجزہ
سمجھوں گا" سیاسی کش مکش حصہ سوم صفحہ ۱۳۶

دوسری جگہ مودودی صاحب نے مسلم لیگ اور پاکستان کے متعلق بدترین قسم
کی بدگمانیوں کا اظہار کیا ہے اور بتایا ہے کہ حصول پاکستان سے کوئی مفید نتیجہ برآمد نہیں
ہوگا ۔ غور سے پڑھیئے ۔

" جنت الحمقاء میں رہنے والے لوگ اپنے خوابوں میں خواہ کتنے ہی سبز باغ
دیکھ رہے ہوں ۔ لیکن آزاد پاکستان (اگر فی الواقع وہ بنا بھی تو) لازماً جمہوری لادینی
اسٹیٹ کے نظریہ پر بنے گا جس میں غیر مسلم اسی طرح برابر کے شریک ہوں گے جس
طرح مسلمان، اور پاکستان میں ان کی تعداد اتنی کم اور ان کی نمائندگی کی طاقت اتنی کمزور نہ ہوگی
کہ شریعتِ اسلامی کو حکومت کا قانون اور قرآن کو اس جمہوری نظام کا دستور بنایا
جا سکے" ترجمان القرآن فروری ۱۹۴۶ء صفحہ ۱۵۴-۱۵۵

۱۹۴۵ء میں جو انتخابات ہونے والے تھے اور یہ وہ انتخابات تھے جن کے نتائج
پر اس براعظم کی قسمت کا فیصلہ ہونے والا اور یہ طے پانے والا تھا کہ برطانیہ اپنا
اقتدار اکھنڈ بھارت کو سونپ دیا جائے یا براعظم بھارت اور پاکستان میں منقسم ہو
اس موقعہ پر جب کہ مسلمانوں کی جدوجہدِ آزادی رنگ لانے والی تھی یہ دیکھنا چاہئے
تھا کہ تحریک مودودی اور مودودی صاحب کس فریق کا ساتھ دیتے ہیں ۔ لیگ

والوں نے امیر تحریک کو ساتھ ملانے اور اس کی مدد حاصل کرنے کی کوشش کی لیکن
وہ اس میں کامیاب نہ ہو سکی ۔ امید تھی کہ شاید وہ اپنے متعلقین اور صالحین کو
اس امر کی آزادی دیدیں گے کہ وہ جس طرح چاہیں اپنی رائے کو استعمال کریں اور
خیال تھا کہ ان کی اکثریت (کم از کم اکثریت کے علاقوں میں) پاکستان کے حق میں ووٹ
دیں گے ۔ لیکن جناب مودودی صاحب نے اس نازک موقعہ پر مسلمانوں کے
جم غفیر سے ہٹ کر ایک بالکل نیا راستہ اختیار فرمایا ۔ اور ایک سوال کے جواب
میں جو کوثر مورخہ ۲۸ اکتوبر ۱۹۴۵ء میں شائع ہوا تھا ۔ اس میں انتخابات میں شرکت
اور رائے دہی کو یک قلم حرام اور اس کو اپنے اصولوں کے خلاف قرار دیا اور
مسلمانوں سے علیحدہ رہنے کے جواز کی اس طرح صورت پیدا کر لی گئی ۔

" ووٹ اور الیکشن کے معاملہ میں ہماری پوزیشن صاف صاف ذہن نشین
کر لیجئے ۔ پیش آمدہ انتخابات یا آئندہ آنے والے انتخابات کی اہمیت جو کچھ بھی ہو اور
ان کا جیسا کچھ بھی اثر ہماری قوم یا ملک پر پڑتا ہو ۔ بہر حال ایک با اصول جماعت ہونے
کی حیثیت سے ہمارے لئے یہ ناممکن ہے ۔ کہ کسی وقت مصلحت کی بناء پر ہم ان اصولوں
کی قربانی گوارا کر لیں جن پر ہم ایمان لائے ہیں" مودودی صاحب کے ممکن، ناممکن
حلال حرام، اور وقتی مصلحت کی بحث تو انشاء اللہ آئندہ اپنے مقام پر آئے گی ۔
فی الحال ہمیں یہ بتانا مقصود ہے کہ انھوں نے نظریاتی اور عملی طور پر، ہر دو طریقہ سے
پاکستان کی مخالفت کی اور اس کو ناکام بنانے میں اپنی امکان بھر کوشش کی

اور قیادت اور اس کے نظریہ کو ہر طرح کے دلائل سے مسلمانوں کے لئے مضر ثابت کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔

پاکستان بننے کے بعد

مودودی کے علی الرغم پاکستان بنا لیکن چونکہ یہ سب کچھ موصوف کی منشاء اور مرضی کے خلاف ہوا تھا اس لئے یہاں بھی وہ بغض و انتقام کا جذبہ کارفرما رہا اور اب تک ہے۔ اور شاید کب تک یہ رہے۔ والغیب عنداللہ۔

مودودی صاحب کی دوں ہمتی اور بزدلی کا مظاہرہ اُس وقت ہوا جب ملک تقسیم ہوا تو جناب مع اپنے لاؤ لشکر کے پاکستان تشریف لے آئے جس کو وہ ناممکن معجزہ اور ناپاکستان فرمایا کرتے تھے۔ آخر وہی مسجد کی طرح مقدس بھی ہوگیا۔ یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ آپ یہاں ہماری رہنمائی کے لئے تشریف لے آئے۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ آپ تشریف نہ لاتے لیکن اگر قدم رنجہ فرمایا ہی تھا تو ایک معزز شہری کی طرح زندگی بسر کرتے لیکن افسوس کہ وہ اپنی فطری نیش زنی سے مجبور تھے۔ لہٰذا یہاں بھی پہلے کی طرح گل کھلانے شروع کردے۔ اس سلسلے میں نوائے وقت لاہور نے ۷ ستمبر ۱۹۵۵ء کو ایک اداریہ تحریر فرمایا تھا امید ہے کہ وہ دلچسپی سے پڑھا جائے گا

"عین اس زمانہ میں جب ہزاروں مجاہدین آزادیٔ کشمیر کے جہاد میں حصہ لے رہے تھے اور سردھڑ کی بازی لگائے ہوئے تھے۔ مودودی صاحب نے یہ فتویٰ دیا کہ یہ جہاد ہے ہی نہیں۔ اور اس لڑائی میں شرکت حرام ہے۔ مگر جو

شخص پاکستان کی جنگِ آزادی میں شرکت کو حرام بتا تا رہا ہو۔ اس سے یہ توقع ہی عبث تھی کہ جہادِ آزادیٔ کشمیر کی حمایت کریگا۔ پاکستان کے متعلق بھی مودودی صاحب کی روش اسی قسم کی تھی کہ میں اس مسئلہ کی حقیقی اہمیت ہی نہیں سمجھتا۔ پھر یہ فرمایا کہ مسٹر جناح اور مسلم لیگ والے اسلام کو ایک چھوٹے سے خطہ میں محدود کردینا چاہتے ہیں۔ میں سارے ہندوستان میں غلبۂ اسلام کا خواہاں ہوں پھر یہ حکم ہوا کہ پاکستان کے سوال پر ووٹنگ کے وقت غیر جانبدار رہو اور اس علم کے باوجود یہ حکم دیا گیا کہ اس ووٹنگ پر ہی پاکستان کے قیام کا فیصلہ ہوگا۔ اس لئے پاکستان کو ووٹ نہ دینے کا مطلب پاکستان کے خلاف ووٹ دینا تھا مودودی صاحب کی اس اشد مخالفت کے باوجود جب پاکستان قائم ہوگیا تو مولوی (حاجی) مودودی صاحب جو سارے ہندوستان میں اسلام کو غالب بنانے کے عزم کا اظہار فرمایا کرتے تھے۔ بھاگ کر سب سے پہلے پاکستان چلے آئے۔ مولینا آزاد مولینا سید حسین احمد صاحب مدنی، مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے بھی پاکستان کی مخالفت کی تھی۔ مگر جب پاکستان قائم ہوگیا تو ان میں سے ہر ایک نے یہ کہا کہ پاکستانی مسلمانوں کو اپنا نیا وطن مبارک ہو۔ ہم اس کی ترقی کے لئے دعا کرتے ہیں۔ مگر ہم ہندوستان ہی میں رہیں گے۔ اور ہندوستانی مسلمانوں کی خدمت کریں گے۔ مگر پورے برّ اعظم میں غلبۂ اسلام کے داعی مودودی صاحب کے نائب جناب نصراللہ خاں عزیز اگست ۱۹۴۷ء کے تیسرے ہفتہ میں لاہور سول سیکریٹریٹ میں مسلم لیگی وزیروں کے

کے دفاتر کا طواف کرتے دیکھے گئے کہ مودودی صاحب کو ہندوستان سے پاکستان پہنچانے کے لئے ٹرک عنایت ہو جائے"

ہندوستان اور پاکستان کی غلط تقسیم

پاکستان میں پناہ گزیں ہونے کے بعد جناب مودودی صاحب نے پھر وہی پاکستان کی بیخ کنی کا حربہ استعمال فرمانا شروع کر دیا اور اس نو آزاد مملکت کے باشندوں کے دلوں میں طرح طرح کے شکوک و شبہات پیدا کرنے اور قائدین کی نام نہاد غلطیوں کے اظہار کا آغاز کر دیا۔ اس نازک حالت میں مودودی صاحب نے جو کردار ادا کیا وہ مورخ کبھی معاف نہیں کرے گا۔ بجائے اس کے کہ عوام کو انتشار سے بچایا جاتا الٹا ذہنی انار کی اور طوائف الملوکی کا سامان بہم پہنچایا۔ ایک جگہ لکھتے ہیں:

"اس سارے نامۂ اعمال میں اگر کسی چیز کو نفع کے خانہ میں رکھا جا سکتا ہے تو وہ اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ انھوں نے کم از کم آدھے مسلمانوں کو تو بچا لیا۔ اور ان کی ایک قلمی ریاست بنوا دی۔ لیکن افسوس کہ اس "روشن" کارنامے کو بھی ہم بدترین غلطیوں سے داغدار پاتے ہیں۔ اور بری طرح اس کا خمیازہ بھگت رہے ہیں۔ تقسیم ہند کا معاملہ جس طریقہ سے طے کیا گیا وہ غلطیوں بلکہ حماقتوں کا ایک مجموعہ تھا" ترجمان القرآن جولائی ۱۹۴۸ء ص ۱۳۶

قلمی ریاست، غلطیوں، حماقتوں کا مجموعہ اور اس قسم کے دوسرے الفاظ

سے اس قسم کا تاثر دینا مقصود ہے کہ جو کچھ ہوا وہ نہ ہونا چاہئے تھا۔ اس سے بھی بڑھ کر ایک دوسری جگہ پاکستان بنانے کے نقائص بیان کئے ہیں جو ایک آئینی حکومت کے لئے بغاوت کا درجہ رکھتے ہیں۔ اور پھر لطف یہ ہے کہ اس کو اسلام کی خدمت سمجھا جا رہا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اسلام سمٹ کر مودودی صاحب کی ذات میں مرتکز ہو گیا ہے اور جو وہ فرمادیں سب عینِ اسلام اور حکمتِ دین ہے اس لئے کہ آپ "مزاج شناس رسول" ہیں۔

"یہ تو تھا ہماری اس عظیم الشان قومی تحریک کا اخلاقی و دینی پس منظر اب اس کے اصل کام کا جائزہ لیجئے جو وہ قوم کو بچانے کے لئے کر رہی تھی مسلمانوں کا قومی مطالبہ جو اس نے مرتب کیا وہ یہ تھا کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کی عددی اکثریت کے لحاظ سے ملک تقسیم کر دیا جائے۔ اس مطالبہ کے اندر آپ سے آپ تین باتیں شامل تھیں۔ ایک یہ کہ تقریباً آدھے مسلمان ہندوؤں کے قومی غلام بن کر رہ جائیں۔ دوسرے یہ کہ مسلمانوں کی قومی ریاست دو ایسے چھوٹے چھوٹے خطوں میں بنے جن کی حیثیت ہندو ریاست کی سرحدوں پر قریب قریب وہی ہو، جو پولینڈ اور چیکوسلواکیہ جیسی ریاستوں کی حیثیت روس کی سرحدوں پر ہے تیسرے یہ کہ ان دونوں خطوں کے درمیان بھی ایک ہزار میل کا ہندو علاقہ حائل ہو۔ اور ان کے درمیان نہ حالت امن میں پوری طرح تعاون ہو سکے، نہ حالتِ جنگ میں ایک دوسرے کی مدد کر سکیں" ترجمان جولائی ۱۹۴۸ء ص ۱۳۳

غور فرمایا آپ نے کہ جناب مودودی صاحب کیا فرما رہے ہیں۔ کہ اگر پاکستان بن گیا تو کیا ہوا مذکورہ وجوہات کی بناء پر قائم نہیں رہ سکتا۔ اور یہ تقسیم مصنوعی ہے۔ اسلام سمٹ کر پاکستان کے دونوں حصوں میں نہیں رہ سکتا۔ توحید کی دعوت محدود نہیں کی جا سکتی وغیرہ۔ ہندوستان اور پاکستان کی تقسیم کو غلط اور مصنوعی ثابت کرنے کے لئے کیسے اسلام کو آلۂ کار بنایا جاتا رہا ہے۔ چنانچہ آپ کی تحریر ملاحظہ کیجئے۔

"سب سے بڑھ کر یہ کہ آخر ہم ٹھنڈے دل سے یہ بات کیسے گوارا کر سکتے ہیں کہ ہمارے اسلاف نے پچھلے ایک ہزار سال میں جو محنتیں اور جو جانفشانیاں اسلام کے پیغام کو پھیلانے کے لئے کی ہیں ان سب پر پانی پھر جائے اور توحید کی دعوت سمٹ کر برعظیم ہند کے صرف دو چھوٹے چھوٹے خطوں میں محدود ہو جائے۔ لہٰذا کوئی شخص بے پرواہی کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کہ ہندوستان کے مسلمانوں کا مسئلہ ان کا اپنا مسئلہ ہے۔ نہیں یہ پاکستان کا بھی ویسا ہی مسئلہ ہے جیسا ہندوستان کا ہے۔ اور فی الواقع یہ اس پوری ملت اسلامیہ کا مسئلہ ہے جو اس مصنوعی تقسیم کے باوجود اب بھی ہندوستان اور پاکستان میں ایک ملت ہے" ترجمان القرآن اگست ۱۹۴۸ء ص ۲۰۳

یہ ایک قدرتی بات ہے کہ انسان کے دل میں جو ہوتا ہے باوجود احتیاط کے کبھی نہ کبھی باہر آ جاتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ مودودی صاحب نے تقسیم ملک

کو دل سے تسلیم نہیں کیا ورنہ "مصنوعی تقسیم" وغیرہ کے الفاظ کیا معنی رکھتے ہیں اور مزید برآں پاکستان کے لئے مسلمانوں کی قربانیوں کو دین اور دنیا کا خسارہ بتایا جا رہا ہے۔ آپ سوچیے کہ کس طرح مسلمانوں کے زخموں پر نمک پاشی کی جا رہی ہے اور قربانیوں کو رائگاں سمجھا جا رہا ہے۔

"غور کیجئے اتنی بڑی قربانیاں آپ کی قوم نے کس مقصد کے لیے دی ہیں۔ کیا محض اس لئے کہ اس ملک میں ایک چھوٹی سی ریاست مسلمانوں کی بھی قائم ہو جائے۔ اس طرح کی ریاست جس طرح افغانستان میں افغانیوں کی۔ ایران میں ایرانیوں کی۔ اور ترکی میں ترکوں کی ہے۔ اگر فی الواقع یہی چیز پیش نظر تھی تو میں عرض کروں گا کہ بڑی ہی حقیر چیز کیلئے مسلمان قوم نے اپنی بہت بڑی چیز قربان کی اور یہ ساری قربانی خسر الدنیا و الآخرۃ کی مصداق ہے"۔ ترجمان القرآن جون ۱۹۴۹ء ص ۱۴۱ اسی پر بس نہیں بلکہ یہاں تک فرمایا گیا کہ پاکستان میں رہ کر چند دنوں کے بعد آپ کو کافر بننا پڑیگا۔ یہ اقتباسات ایک سلسلہ کی کڑی ہیں۔ آپ ان کڑیوں کو ملاتے جائیں گے تو آپ کو معلوم ہو گا کہ کس طرح درجہ بدرجہ مسلمانوں کو پاکستان اور نظریۂ پاکستان کی غلطیوں کا احساس دلایا جا رہا ہے۔ یہ سب اس وقت کی باتیں ہیں جب دشمن پاکستان کو ختم کرنے کے لئے ہر طرح کے دباؤ ڈال رہا تھا۔ اور مودودی صاحب ان خیالات کے اظہار سے شعوری یا غیر شعوری طور پر دشمن کے کاز کو تقویت دے رہے تھے۔ اور پاکستان کے اندر رہ کر اس میں ایک ایسے صالحین کے گروہ کی تربیت

فرمارہے تھے، جو اندرونی طور پر پاکستان کی جڑوں کو کھوکھلا کرنے لگیں۔ اور ان
سے دوسرے لوگ بھی متاثر ہوں۔ معلوم نہیں خدمت اسلام کا یہ کونسا شعبہ ہے۔؟

" اور یہ بات کہ اس ملک کے اندر مسلمانوں کی اکثریت ہے۔ اس وجہ سے
وہ لازماً ایک لادینی جمہوری ریاست کو بھی اسلام ہی کی طرف کھینچے گی۔ محض ایک طفلانہ
خیال ہے۔ اگر ایک مرتبہ لادینی جمہوری اسٹیٹ قائم ہو گیا تو کچھ دنوں تک تو
ممکن ہے۔ کہ یہ صورت قائم رہ سکے کہ آپ مسلمان رہیں اور آپ کی حکومت کافر۔
لیکن زیادہ زمانہ نہیں گزرے گا کہ آپ کی اسٹیٹ اس دورنگی کو مٹا کر رہے گی۔ اور
بالآخر اسٹیٹ کے ساتھ آپ کو بھی کافر بننا پڑے گا" ترجمان جون ۱۹۴۹ء صفحہ ۵۰

پاکستان اور نظریہ پاکستان کی مخالفت پر جو کچھ عرض کیا جا چکا ہے۔ وہ
اہل انصاف اور حق پسند اشخاص کی آنکھیں کھولنے کے لئے کافی ہے۔ مودودی
صاحب کے خیالات سے یہ امر بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ وہ پاکستان کی وفاداری
کا کہاں تک احساس رکھتے ہیں۔ صالحین کی پوری جماعت میں مودودی صاحب
کو چونکہ ڈکٹیٹرانہ اختیارات حاصل ہیں اس لئے آپ کے فرمودات ان کی جماعت کے
لئے احکامات کا درجہ رکھتے ہیں۔ جب یہ صورت حال ہے تو شاید یہ خیالات پاکستان
کے کن کن گوشوں تک پہنچائے گئے ہوں۔ اور عوام میں اس سے کیسے بدگمانی نہ پھیلی ہوگی
یا نہ پھیلائی گئی ہوگی۔ اس کی اہمیت تو وہی سمجھ سکتے ہیں جو کسی سیاسی جماعت کے کارکن
رہ چکے ہوں۔ اب تھوڑا سا ذکر قائدین کے متعلق بھی سن لیجئے تاکہ یہ بحث تشنہ نہ رہے

اور اس کے بعد دوسرا موضوع شروع کیا جا سکے۔

" جب تک ہمارے قومی معاملات کی سربراہ کاری موجودہ سیادت و قیادت
کے ہاتھ میں ہے۔ اپنی ملت کے اس سب سے بڑے مسئلے کا کوئی حل ہمارے لئے ممکن
نہیں ہے اور یہی سیادت و قیادت ہماری سربراہ کار رہی تو ہمیں چند سال کے
اندر یہ دیکھنے کے لئے تیار رہنا چاہئے کہ واھگہ سے راس کماری تک اور مشرقی بنگال
کی سرحدوں سے کاٹھیاواڑ کے سواحل تک کا پورا علاقہ اسلام سے خالی ہو جائے گا"

ترجمان القرآن اگست ۱۹۴۸ء صفحہ ۲۰۴

تحریک پاکستان اور مملکت پاکستان کے خلاف اس مفاد پرست اور تخریبی ذہنیت
رکھنے والی شخصیت نے اپنی ہوس اقتدار کے تحت اس مملکت کی سلامتی اور امن کے خلاف
شکوک و شبہات اور بے یقینی و انتشار کے وہ بیج بوئے ہیں جن کی فتنہ انگیزیوں سے
اس مملکت کی حفاظت نہ صرف اس مملکت کے کارپردازوں اور کارفرماؤں کی ذمہ داری
ہے بلکہ ہر مخلص اور سچے پاکستانی کا فریضہ بھی۔

مودودی اور نظامِ حکومت

تحریکِ مودودی نے حکومتِ پاکستان کی نسبت ابتدا ہی سے مخالفانہ بلکہ معاندانہ روش اختیار کر رکھی ہے۔ اور اس موقعہ کو کسی بھی مرحلہ پر ہاتھ سے نہیں جانے دیتی۔ بین الاقوامی طور پر خواہ اس کا نتیجہ کچھ ہی کیوں نہ ہو۔ اس کا نظریہ مخالفت برائے مخالفت ہے۔ حالانکہ یہ رویہ قرآن کریم کے واضح ارشاد کے خلاف ہے لا یجرمنکم شنآن قوم ان لا تعدلوا۔ اعدلوا هو اقرب للتقوی، یعنی کسی قوم کے خلاف شکایت تمھیں اس پر آمادہ نہ کر دے کہ تم انصاف نہ کرو۔ تم عدل کا شیوہ اختیار کرو کہ یہی پرہیزگاری سے زیادہ قریب ہے۔

مودودی صاحب اگر قرآنی عدل کو کام میں لاتے تو وہ دیکھتے کہ پاکستان نے تنازع للبقا کی دوڑ میں اچھے اچھے ممالک کو پیچھے چھوڑ دیا ہے بایں ہمہ مودودی صاحب نے غالباً یہ سوچ رکھا تھا کہ پاکستان میں لیگی لیڈر وہ سب امیدیں اور آرزوئیں پوری نہ کر سکیں گے جو عوام نے ہندوستان کی آزادی اور قیامِ پاکستان سے باندھ رکھی ہیں، اس لئے "تحریک" کو اس صورت حالات سے فائدہ اٹھا کر عوام کی زمامِ قیادت اپنے ہاتھ میں لے لینی چاہی۔ چنانچہ شروع سے لے کر اب تک اسی

فارمولا پر عمل کیا جا رہا ہے اور عوام میں بددلی پھیلانے کے کسی بھی موقعہ کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا جاتا۔ اور اس کے لئے کوئی حربہ ایسا نہیں جو استعمال نہ کیا جاتا ہو اور پھر یہ عمل مسلسل کیا جاتا ہے جس سے عوام سوچنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ "شاید کچھ ہو" اور ساتھ ساتھ عوام کو یہ بھی باور کرایا جاتا ہے کہ مسلمانوں کے مستقبل کی تعمیر کا ہر پروگرام اور ہر منصوبہ جناب مودودی صاحب کے حُسنِ تدبر اور مومنانہ فراست کے گرد گھومتا ہے۔ ایک طرف یہ ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے کہ اس دور میں مودودی صاحب ایک عظیم داعیٔ اسلام، صاحبِ عزم، معمارِ ملتِ اسلامیہ کے ممتاز ترین قائد کی حیثیت رکھتے ہیں اور دوسری طرف پاکستان کی ہر قیادت کو شکست خوردہ ذہنیت اور اسلام سے دور لے جانے والی، مغربیت زدہ قرار دے کر عوام کو اس سے بدظن کرنے کی مسلسل سعی کی جاتی ہے۔ اب یہ پاکستان کے عوام کی تنظیم اور ہوشمندی ہوگی، اگر وہ حقائق کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے اس سیاسی تباہی سے کس حد تک بچ سکتے ہیں۔ مودودی صاحب تحریر کرتے ہیں کہ ان لیڈروں کا صحیح مقام پیشوائی نہیں بلکہ عدالت کا کٹہرا ہے اور ان کے اعمال کا محاسبہ ہونا چاہیئے۔

"یہی دو اسباب ہیں جنھوں نے مل جل کر وہ ہولناک نتائج پیدا کئے ہیں جو ہماری آنکھیں ابھی ابھی دیکھ چکی ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس کی ذمہ داری سے وہ لوگ بری نہیں ہو سکتے جو اس دور میں یہاں کی مختلف قوموں کے رہنما اور سربراہ کار

ہیں۔ یہی تو وہ لوگ ہیں جنھوں نے ایک طرف اپنی قوم کے لوگوں میں قومی خواہشات برانگیختہ کیں اور دوسری طرف قومی اخلاق کو سنبھالنے کے لئے کچھ نہ کیا بلکہ صحیح یہ ہے کہ اُسے گرایا اور گرنے میں خود اس کی پیشوائی کی۔ اگر یہ اس کھیل کے نتائج سے بے خبر تھے تو سخت اناڑی تھے۔ ایسے اناڑی اس قابل نہیں کہ کروڑوں انسانوں کی قسمتوں کے ساتھ بازی گری کرنے کے لئے انھیں چھوڑ دیا جائے۔ اور اگر انھوں نے جان بوجھ کر یہ سارا کھیل کھیلا تو درحقیقت یہ انسانیت کے اور خود اپنی قوم کے دشمن ہیں ان کا صحیح مقام پیشوائی کی مسند نہیں بلکہ عدالت کا کٹھرا ہے جہاں ان کے اعمال کا محاسبہ ہونا چاہیئے"۔ ترجمان القرآن جون ۱۹۴۸ء ص ۶۱

قیادت بدل دو

مودودی صاحب بزعم خود اسلام کے نام پر حقوق حکومت حاصل کرنا چاہتے ہیں اور قیادت کو بدلنے کے لئے یہ باور کرا رہے ہیں کہ یہ لوگ مسلمانوں کے اوپر کافرانہ حکومت قائم کرنا چاہتے ہیں اور کافرانہ قوانین جاری کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اور ہم ان کے مقابلہ میں اسلام کو اپنے طریق زندگی کی حیثیت سے اختیار کرنا چاہتے ہیں۔ اور ہماری خواہش ہے کہ اس ملک میں اسلام کی حکومت قائم ہو، اور اسلام کا قانون جاری ہو۔ اس قسم کے ظاہر فریب الفاظ سے عوام کو اپنی طرف مائل کیا جاتا ہے اور قیادت کو بدلنے کا مشورہ دیا جاتا ہے۔

"اگر اب بھی ان کی لیڈرشپ تبدیل نہ ہوئی اور اگر اس نئے دور میں

بھی ان کے معاملات اس اندھی اور گندی قوم پرستی پر اور اس مادہ پرستانہ اخلاق پر چلتے رہے جس پر اب تک وہ چلے ہیں تو آئندہ ان بااختیار قوموں کی کشمکش بہت زیادہ بڑے پیمانہ پر بدرجہا زیادہ تلخ نتائج پیدا کر دے گی" ترجمان القرآن جون ۱۹۴۸ء ص ۶۲

"اب جب کہ ہم محسوس کرتے ہیں کہ غنڈہ گردی کی گندگیوں کو ایسی کوششوں کی راہ میں مستقل رکاوٹ بنا دیا گیا ہے جن کا مقصد حکومت کو صالح ہاتھوں میں منتقل کرنا ہو، تو ہم بہرحال یہ قربانی بھی دیں گے۔ کہ ان ساری گندگیوں کو برداشت کریں۔ موجودہ غیر اسلامی اقتدار کو گوارا کرنے کے لئے ہم تیار نہیں ہیں۔ لہٰذا اسے بدلنے کے لئے لعن طعن کرنے والی زبانوں کی بھی کوئی پرواہ نہیں کریں گے۔ ہم کچھ نہیں کہہ سکتے کہ ہم کامیاب ہوں گے یا ناکام لیکن ہم یہ ضرور دکھانا چاہتے ہیں کہ شریف آدمی غنڈے پن کا کس طرح مقابلہ کرتا ہے"

ترجمان جولائی ۱۹۵۰ء ص ۲۲۱

مودودی صاحب اپنے سے اختلاف رکھنے والوں کے متعلق جو شریفانہ زبان استعمال فرماتے ہیں اس کا عملی نمونہ آپ کے سامنے ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اب تک اقتدار حاصل نہ ہونے کی وجہ سے مودودی صاحب طیش میں آ گئے ہیں اور اپنی منشاء کے خلاف واقعات کا ظہور ناقابل برداشت ہو گیا ہے۔ اسی وجہ سے ہی تو بزور شمشیر اقتدار پر قبضہ جمانے کے لئے فرما رہے ہیں۔ چنانچہ فرماتے

ہیں :-

" جب صالحین کا گروہ منظم ہو۔ اہلِ ملک کی عظیم اکثریت ان کے ساتھ ہو۔ یا کم از کم اس بات کا ظن غالب ہو کہ عملی جدوجہد شروع ہوتے ہی اکثریت ان کا ساتھ دے گی اور کسی بڑی تباہی اور خوں ریزی کے بعد مفسدین کے اقتدار کو ہٹا کر صالحین کا اقتدار قائم کیا جا سکے گا۔ اس صورت میں بلاشبہ صالحین کی جماعت کو نہ صرف حق حاصل ہے بلکہ ان کے اوپر یہ شرعی فرض ہے کہ وہ اپنی طاقت منظم کر کے ملک کے اندر بزورِ شمشیر انقلاب پیدا کر دیں اور حکومت پر قبضہ کر لیں"۔

اسلامی ریاست ع۱۰ ص۴۲

" اب تم روئے زمین پر خدا کے سب سے زیادہ صالح بندے ہو۔ لہٰذا آگے بڑھو اور لڑ کر خدا کے باغیوں کو حکومت سے بے دخل کر دو اور حکمرانی کے اختیارات اپنے ہاتھ میں لے لو"۔ خطبات ص۲۳۵

اس کے بعد بھی کوئی گنجائش باقی ہے کہ مودودی صاحب کے بارے میں یہ کہا جائے کہ انھوں نے سیاسی تبدیلی کے لئے قوت و طاقت استعمال کی مذمت کی ہے۔ ہم پوچھتے ہیں کہ مذکورۃ الصدر عبارتیں مودودی صاحب کی ہیں یا نہیں۔ اگر ہیں اور یقیناً ہیں تو پھر آپ ہی انصاف فرمائیے کہ ان میں کس چیز کی تلقین کی جا رہی ہے۔ اور کیا یہ بغاوت پر نہیں اُکسایا جا رہا ؟

اس سے بڑھ کر کوئی بے راہ روی کیا ہوگی

" جن کے ہاتھوں میں اس وقت زمامِ کار ہے۔ وہ اسلام کے معاملہ میں اتنے مخلص اور اپنے ان وعدوں کے بارے میں جو انھوں نے اپنی قوم سے کئے تھے اتنے صادق ہوں۔ کہ اسلامی حکومت قائم کرنے کی جو اہلیت ان کے اندر مفقود ہے اسے خود محسوس کریں اور ایمانداری کے ساتھ یہ مان لیں کہ پاکستان حاصل کرنے کے بعد ان کا کام ختم ہو گیا ہے"۔ رسائل و مسائل ص۵۲۵ مطبوعہ لاہور

مودودی صاحب کے دیرینہ واقفکار کے الفاظ میں مودودی صاحب کو اس طرح تلقین کی گئی ہے کہ مودودی صاحب کو حقیقت میں اتنا بھی تو معلوم نہیں کہ آج کل حکومت کرنے کے لئے کن کن علوم میں مہارت کی ضرورت ہے۔ اور ان کے نام کیا کیا ہیں۔ آپ کو فنِ حکومت کی ا۔ ب۔ ت بھی نہیں آتی۔ اب قارئین خود فیصلہ کر لیں کہ ہم پاکستانی اپنے عزیز وطن کی تقدیر ایسے لوگوں کے ہاتھ میں کس طرح دے سکتے ہیں۔ ہم مودودی صاحب اور آپ کی جماعت سے بہت عاجزانہ درخواست کرتے ہیں کہ وہ حکومت کرنے کی بجائے مسلمانوں کے اخلاق کی اصلاح کی کوشش کریں اور ان میں اسلامی تعلیم پھیلائیں۔ لیکن موصوف کا یہ مشورہ مودودی صاحب درخورِ اعتناء نہیں سمجھتے اس لئے کہ ان کے نزدیک دینی فرائض اور عقائد وغیرہ کا اگر ست نکال لیا جائے تو معلوم ہو جائے گا کہ سوائے اقتدار حاصل کرنے کے احکامِ خداوندی کا اور کوئی منشاء اور مقصد ہی نہیں اسی لئے تو وہ ہر طرح کا ہیر پھیر کر کے اپنی ہر غزل کا مقطع حکومت پر اقتدار حاصل

کرنا، سناتے ہیں۔ اچھا صاحب ابھی اور بھی کچھ سنیئے!

"جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے ان سے تو میں صاف کہتا ہوں کہ موجودہ زمانے کی لادینی قومی جمہوریت تمہارے دین و ایمان کے قطعاً خلاف ہے۔ تم اس کے آگے سرِ تسلیم خم کروگے تو قرآن سے پیٹھ پھیروگے۔ اس کے قیام و بقا میں حصہ لوگے تو اپنے رسول سے غداری کروگے اور اس کا جھنڈا اڑانے کے لئے اٹھوگے تو اپنے خدا کے خلاف علمِ بغاوت بلند کروگے۔ جس اسلام کے نام پر تم اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہو اس کی روح اس ناپاک نظام کی روح سے۔ اس کے بنیادی اصول اس کے بنیادی اصولوں سے اور اس کا ہر جزء اس کے ہر جزء سے برسرِ جنگ ہے۔ اسلام اور یہ نظام ایک دوسرے سے کہیں بھی مصالحت نہیں کرتے۔ جہاں یہ نظام برسرِ اقتدار ہوگا۔ وہاں اسلام نقش بر آب رہے گا۔ اور جہاں اسلام برسرِ اقتدار ہوگا وہاں اس نظام کے لئے کوئی جگہ نہ ہوگی۔ تم اگر واقعی اس اسلام پر ایمان رکھتے ہو جسے قرآن اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم لائے تھے تو تمہارا فرض ہے کہ جہاں بھی تم ہو، اس قوم پرستانہ لادینی جمہوریت کی مزاحمت کرو خصوصیت کے ساتھ جہاں تم بحیثیت ایک قوم کے برسرِ اقتدار ہو۔ وہاں تو اگر تمہارے اپنے ہاتھوں سے اسلام کے اصلی نظام کے بجائے یہ کافرانہ نظام بنے اور چلے تو حیف ہے تمہاری اس جھوٹی مسلمانی پر جس کا نام لینے میں تم اتنے بلند آہنگ اور جس کا کام کرنے میں تم اتنے جی چور ہو۔" ترجمان ستمبر ۱۹۴۸ء ص ۳

مودودی صاحب کے اس بیان کو ذہن میں رکھتے ہوئے ذرا آپ کا وہ اخباری بیان بھی ملاحظہ فرمائیے جو آپ نے پارلیمانی اور صدارتی نظام کے بارے میں دیا ہے۔ "انھوں نے کہا کہ اگرچہ وہ پارلیمانی طرزِ حکومت کو ملک کے لئے بہتر سمجھتے ہیں تاہم وہ صدارتی طرزِ حکومت کو بھی قبول کرنے کو تیار ہیں، بشرطیکہ اُسے جمہوری بنیادوں پر قائم کیا جائے۔" روزنامہ جنگ کراچی ۲۶ نومبر ۱۹۶۳ء

آپ نے مودودی صاحب کا یہ اخباری بیان پڑھ لیا۔ غور فرمائیے کہ اسلام کی نمائندگی کے بلند بانگ دعوے وہ کیا ہوئے؟ غالباً ۴۸ء اور ۶۳ء کے درمیان جناب کو کوئی اور القاء ہو گیا ہو۔ اس بیان میں نہ تو اسلامی جمہوریت ہے ذکر ہے۔ اور نہ ہی آپ نے کوئی ایسا لفظ فرمایا ہے جس سے کوئی اسلامی معنی پیدا کئے جا سکیں جاننے والے جانتے ہیں کہ پارلیمانی طرزِ حکومت اور صدارتی طرزِ حکومت کیا ہوتا ہے مجھے اس سے بحث نہیں کہ میں کسی کی طرف داری یا تنقید کروں۔ صرف یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ مودودی صاحب ملک کے لئے پارلیمانی نظام حکومت پسند فرماتے ہیں۔ کیا میں آپ سے دریافت کر سکتا ہوں کہ یہ پارلیمانی اصطلاح کس نظامِ حکومت پر بولی جاتی ہے۔ مودودی صاحب اب تک جو حکومت الٰہیہ کا ڈھونگ رچاتے چلے آئے ہیں۔ یہ پارلیمانی حکومت اسی کا کوئی جدید ایڈیشن ہے؟ یا وہ نظریہ اسی وقت تک کے لئے تھا اور موجودہ حالات میں اب وہ لوگوں کو اپیل نہیں کرتا۔ اس اخذ کردہ نتیجہ کی تائید آپ کے ایک "صالح" کے بیان سے

ہوتی ہے =

"کراچی ۱۹ر نومبر (نمائندہ نئی روشنی) جماعت اسلامی کی کراچی شاخ کے صدر چوہدری غلام محمد نے ایک پریس کانفرنس میں بتایا ہے کہ جن کتابوں کی بنیادوں پر مرکزی وزیر داخلہ خاں حبیب اللہ نے جماعت اسلامی اور اس کے امیر مولانا مودودی پر الزامات لگائے ہیں۔ ان کو پھر سے چھاپا جائے گا۔ تاکہ لوگ ان کا مطالعہ کر کے اپنی رائے قائم کر سکیں۔ کہا جاتا ہے کہ چند کتابیں جن کا وزیر داخلہ نے ذکر کیا تھا ۲۰، ۲۵ برس پرانی ہیں اور دستیاب نہیں ہیں۔ اور ان کو دوبارہ چھپوانا اس لئے بیکار سمجھا گیا تھا کیونکہ ان کا تعلق ایک خاص زمانہ سے تھا.......

روزنامہ نئی روشنی کراچی ۲۰ر نومبر ۱۹۶۳ء

معلوم ہوتا ہے کہ جناب مودودی صاحب کا اصول، عصرِ حاضر کی مغربی سیاست کے امام، اٹلی کے مشہور مدبر میکیاوُلی سے بالکل ملتا جلتا ہے۔ یا کہنا چاہئے کہ دونوں کے نظریات میں توارد ہے۔ میکیاوُلی کا یہ مشہور مقولہ ہے۔ کہ "صحیح حکمتِ عملی یہ نہیں کہ پہلے سے متعین کر لیا جائے کہ مجھے کیا کرنا ہے۔ حکمتِ عملی یہ ہے کہ حسبِ موقع جو صورت اپنے فائدے کی نظر آئے اسے اختیار کر لیا جائے" اس کا عملی مظاہرہ مودودی صاحب کے لٹریچر میں کثرت سے موجود ہے۔ جس کو ناظر بوقت مطالعہ شدت سے محسوس کرتا ہے۔ بہرکیف بات قیادت کے بدلنے کی ہو رہی تھی۔ اس موضوع پر مودودی صاحب کی تحریروں سے چند اقتباسات

پیش کئے جا چکے ہیں۔ ایک دو ضروری اقتباسات اور پیش کر کے کسی دوسرے عنوان لکھا جائے گا۔ انشاء اللہ العزیز۔

"ان تجربات کے بعد اب ضرورت ہے کہ ہم اپنی دوسری پالیسی پر بھی نظرِ ثانی کریں۔ پہلی پالیسی قریب قریب سو برس کے تجربے سے غلط ثابت ہوئی اور اسے بدلنا پڑا۔ دوسری پالیسی کو ستر برس کے تجربے نے غلط اور غلط ہی نہیں مہلک ثابت کر دیا۔ اس کو بھی بدلنا اور بہت جلدی بدل ڈالنا چاہیئے۔ اب ہمارے لئے صرف تیسری پالیسی باقی رہ جاتی ہے اور وہ یہ ہے کہ :۔ زمانہ باتو نسازد تو با زمانہ ستیز۔ جو ڈھانچہ تمہارے گرد و پیش بنا گیا ہے۔ اس سے تم الگ نہیں رہ سکتے۔ اور اس میں اپنی خودی قربان کئے بغیر ٹھیک بھی نہیں بیٹھ سکتے۔ لہذا آؤ۔ اب مردوں کی طرح لڑ کر اس ڈھانچے کو توڑ ڈالو اور اسے مجبور کرو کہ تمہاری ہیئت کے مطابق بنے" سیاسی کشمکش حصہ دوم ص ۸۵

"ایسے لیڈروں سے اگر مسلمان یہ توقع باندھے بیٹھے ہیں کہ یہ ان کی کشتی کو بھنور سے نکال لیں گے تو میں پیشن گوئی کرتا ہوں کہ ان کی کشتی ڈوب کر رہے گی۔ یہ تقریروں کا نہیں بلکہ جان جوکھوں کا کام ہے۔ اگر مسلمان جینا چاہتے ہیں تو ان کو اور خصوصاً ان کے نوجوانوں کو اپنا گرم خون زندگی کے لئے بھینٹ چڑھانے پر تیار ہونا چاہیئے"

سیاسی کشمکش حصہ دوم ص ۲۱۵

"پھر ہمارا اپنی زندگی کو تناقضات سے پاک کر کے مسلم حنیف بننے کی کوشش کرنا لازمی طور پر اس بات کا تقاضہ کرتا ہے کہ ہم اس نظام زندگی میں انقلاب چاہیں جو

آج کفر و دہریت۔ شرک۔ فسق و فجور اور بداخلاقی کی بنیادوں پر چل رہا ہے۔ اور جس کے نقشے بنانے والے مفکرین اور جس کا عملی انتظام کرنے والے مدبرین سب کے سب خدا سے پھرے ہوئے اور اس کے شرائع کی قیود سے نکلے ہوئے لوگ ہیں۔ جب تک زمام کار ان لوگوں کے ہاتھ میں رہے گی کسی شخص کے لئے دنیا میں مسلمان کی زندگی بسر کرنا، نہ صرف عملاً محال ہے۔ بلکہ اپنی آئندہ نسلوں کو اعتقاداً بھی اسلام کا پیرو چھوڑ جانا غیر ممکن ہے۔" (رسالہ دعوتِ اسلامی اور اسکے مطالبات صـ ۲۴) نوجوان طبقہ کو اپنے اس بیان سے کہ ان نوجوانوں کو اپنا گرم خون زندگی کیلئے بھینٹ چڑھانے پر تیار ہونا چاہئے کسطرح برانگیختہ کیا جارہا ہے کہ وہ اپنے لیڈروں سے بھڑ جائیں۔ اور ساتھ ہی یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ "اگر مسلمان جینا چاہتے ہیں" گویا اگر تم مسلمان ہو کر جینا چاہتے ہو تو لیڈروں کے خلاف خون کی قربانی پیش کرو اور اگر تم خاموش رہے اور مودودی صاحب کی حسب منشاء قیادت کو نہ بدلا تو یاد رکھو مسلمان کی زندگی بسر کرنا محال ہوگا۔ اور اسلام بھی وہ جس کا مختصر سا نقشہ "تحریکِ مودودی کا دینی رخ" اسی کتاب میں گذر چکا ہے مودودی صاحب نے اس قسم کے جذباتی بیان حکومتِ برطانیہ کے خلاف کیوں نہیں دئے تھے۔ یہ قابلِ غور مسئلہ ہے۔ حالانکہ اس وقت تو جو قوانین تھے وہ کسی طرح بھی اسلام سے میل نہیں کھاتے تھے۔ لیکن اس وقت مودودی کی اسلامی حس شاید کہاں سو رہی تھی ممکن ہے اس وقت ان کے "دین" کا تقاضہ یہی ہو۔ اس لئے کہ آپ "مزاج شناس رسول" ہیں۔ اور پھر جن مسلمانوں کو آپ ساتھ لے کر یا جذبات کی رو میں بہا کر قیادت میں انقلاب بپا کرنا چاہتے ہیں وہ تو سب نسلی اور آبائی مسلمان ہیں جو کسی طرح بھی آپ کے انقلاب کے

لئے مفید ثابت نہیں ہو سکتے۔ اس لئے کہ یہ بھی تو آپ ہی نے لکھا ہے:

" بالآخر تجربہ سے ثابت ہو گیا کہ نام کے مسلمانوں کو اصلی مسلمان سمجھنا اور ان سے وہ توقعات رکھنا جو اصلی مسلمانوں ہی سے پوری ہو سکتی ہیں، محض ایک دھوکہ تھا۔ وہ لوگ خلافت کا بوجھ سہارنے کی طاقت نہ رکھتے تھے۔ جب ان پر یہ بوجھ رکھا گیا تو وہ خود بھی گرے اور اس پاکیزہ عمارت کو بھی لے گرے" تجدید و احیائے دین صـ ۱۳۴-۱۳۵

جب آپ کا یہ خیال ہے تو پھر آپ نے پاکستان کے جمہور مسلمانوں کو اصلی مسلمان کیسے تصور فرما لیا۔ کہ وہ لوگ آپ کی خلافت کا بوجھ اٹھا سکیں گے یا حسبِ حال اس نظریہ میں بھی ترمیم کر لی گئی ہے۔ اور اب ضرورت اس کی مقتضی ہے سے

چرا کارِ کند عاقل کہ باز آید پشیمانی

یہ بات کس قدر بے احتیاطی اور تنقید کے اندھے جوش و شوق پر دال ہے۔ جو مذکورہ عبارتوں میں بیان کی گئی ہے۔ اور جس چیز کی ترغیب و تحریص کی گئی ہے۔ اس کو تباہی و بربادی کی دستاویز قرار دینا عین قرین قیاس ہے۔ بایں ہمہ مودودی صاحب اپنی تحریک اور طریق کار کے بارے میں فرماتے ہیں کہ

" ہماری دعوت کی طرح ہمارا یہ طریق کار بھی دراصل قرآن اور انبیاء علیہم السلام کے طریقے سے ماخوذ ہے" رسالہ دعوتِ اسلامی اور اس کے مطالبات صـ ۳۵

یہ طریقہ کار جو آپ نے اختیار کر رکھا ہے۔ انبیاء کا سبق کا تو بالکل نہیں تھا ہاں بعد میں آنے والے کسی متنبی کا ہو تو میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ جو طریق کار آپ

کا ہمارے سامنے ہے اس سے تو صاف قرآن حکیم کی خلاف ورزی ہوتی ہے اس لئے کہ قرآن حکیم میں صاف لکھا ہے۔ الفتنۃ اشد من القتل فتنہ پردازی قتل سے بھی زیادہ شدید ہے اور آپ کا کوئی کام فتنہ اور انتشار سے خالی نہیں ہے۔ اور آپ کی ہر تحریر تفریق بین المسلمین کا باعث ہے۔ ؎

خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسنِ کرشمہ ساز کرے

تحریکِ مودودی اور الیکشن

۱۔"امارت یا مجلس شوریٰ کی رکنیت۔ یا کسی ذمہ داری کے منصب کے لئے کوئی ایسا شخص منتخب نہ کیا جائے گا۔ جو خود اس کا امیدوار ہو، یا کسی طور پر اس کے لئے کوشش کرے۔ اسلام میں امیدواری اور انتخابی پروپیگنڈے کے لئے قطعاً کوئی گنجائش نہیں" رسالہ اسلام کا نظریہ سیاسی ص۲۴۔

۲۔"آپ خود سوچ لیجئے کہ توحید کا یہ عقیدہ رکھتے ہوئے ہم انتخاب میں کیسے حصہ لے سکتے ہیں۔ کیا ہمارے لئے یہ جائز ہو سکتا ہے۔ کہ ایک طرف تو ہم کتاب اللہ کی سنت سے آزاد ہو کر قانون سازی کو شرک قرار دیں اور دوسری طرف خود اپنے ووٹوں سے ان لوگوں کو منتخب کرنے کی کوشش کریں، جو خدا کے اختیارات غصب کرنے کے لئے اسمبلی میں جانا چاہتے ہیں۔ ہمارے لئے اس معاملے میں صرف ایک ہی راستہ ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم اپنا سارا زور اس اصول کے منوانے میں صرف کریں کہ حاکمیت صرف خدا کی ہے۔ اور قانون

سازی کتاب الٰہی کی سند پر مبنی ہونا چاہئے۔ جب تک یہ اصول نہ مان لیا جائے ہم کسی انتخاب اور کسی رائے دہی کو حلال نہیں سمجھتے ''
ترجمان بابت رمضان ۱۳۶۴ھ

۳۔ '' ہم کہتے ہیں کہ جو اسمبلیاں یا پارلیمنٹیں موجودہ زمانے کے جمہوری اصول پر مبنی ہیں ۔

ان کی رکنیت حرام ہے۔ اور ان کے لئے ووٹ دینا بھی حرام ہے '' رسائل و سائل ص ۴۵۷ مطبوعہ مکتبہ جماعت اسلامی اچھرہ لاہور

یہ اقتباسات اتنے واضح ہیں۔ کہ اس پر مزید لکھنا بیکار تھا لیکن چونکہ مودودی صاحب عوام کو دھوکا دینے کے لئے طرح طرح کی تاویلات باردہ کرتے رہتے ہیں۔ اور الیکشن میں حصہ لینے کے لئے اپنے مختلف بلکہ متضاد اقوال کی تاویلیں کیا کرتے ہیں۔ اس لئے میرا ارادہ ہے کہ مودودی صاحب کے اصول موضوعہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس مسئلہ پر ذرا تفصیل سے روشنی ڈالوں۔ یہ حقیقت ہے کہ اس معاملہ میں مودودی صاحب نے جو زک اٹھائی ہے۔ شاید اتنی کسی دوسرے معاملہ میں نہ اٹھائی ہو۔ یاد رہے کہ میری یہ گفتگو محض اس لئے ہے کہ ثابت کیا جائے کہ مودودی صاحب اپنے اصولوں کے پیش نظر الیکشن میں کودنے کا جو شرعی جواز پیش کرتے ہیں وہ کہاں تک

صحیح ہے۔ اور محض اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے مودودی صاحب نے اپنے پہلے کتنے اصول پائمال کئے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ بحث ناظرین کے لئے دلچسپی کا باعث ہوگی۔ مودودی صاحب کا ارشاد ہے۔ '' ایک شخص اگر خود اپنی زبان سے مسلم ہونے کا انکار اور غیر مسلم ہونے کا اقرار کر رہا ہو۔ تو ہمارے لئے یہ ممکن نہیں رہتا کہ ہم اس کی زبان سے بعض اسلامی خیالات سن کر اور اس کی زندگی میں بعض اسلامی علامات دیکھ کر اسے مسلمان مان لیں۔ اور اسے نماز میں امام بنانا یا کسی مسلمان لڑکی سے اس کا نکاح کرنا قبول کر لیں۔ اس طرح کے سارے معاملات اس کے ساتھ بہرحال اس وقت تک نہیں کئے جا سکتے جب تک کہ وہ زبان ہی سے شہادت ادا نہ کرے۔ ٹھیک ایسا ہی معاملہ ایک غیر اسلامی دستور پر بنی ہوئی مملکت کا بھی ہے۔ کہ جب تک اس کی آئینی زبان شہادت اسلام ادا نہ کرے ہم نہ اس کو اسلامی مملکت کہہ سکتے ہیں اور نہ اس کے ساتھ وہ روابط قایم کر سکتے ہیں۔ جو شرعاً صرف ایک اسلامی مملکت کے ساتھ ہی رکھے جا سکتے ہیں، خواہ اس کی ساری آبادی مسلمان اور اس کے سارے کارفرما کارپرداز بھی مسلمان ہی ہوں '' جماعت اسلامی ص ۱ ۔ یہاں ایک اقراری کافر کے مسلمان ہونے کے لئے صرف یہ کافی سمجھ لیا گیا ہے۔ کہ وہ زبان ہی سے شہادت اسلام ادا کر دے۔ اور بس۔ نہ یہاں '' ستہ ضروریہ '' مذکورہ کا لحاظ بحیثیت '' شرط لازم '' کیا گیا اور نہ ہی ہفت گانہ تغیرات

کا لازمی اور فوری طریق پر عملی زندگی پر طاری ہونا ضروری ٹھیرایا گیا ہے۔ ایسا کیوں کیا گیا۔ صرف اس لئے کہ مملکت پاکستان کو جو ہنوز کافرانہ حیثیت رکھتی تھی۔ اس کو خالی خولی اقرار پر مسلمان ہونے کا فتویٰ دیا جائے۔ تقسیم ہند کے بعد پاکستان کی حیثیت کیا تھی مودودی صاحب کا ارشاد ہے۔

"دستور مملکت جوں کا توں وہی کافرانہ دستور تھا۔ جو سابق انگریزی حکومت چھوڑ گئی تھی۔ اور اس کی وجہ سے نہ شرعاً اس نئی مملکت کی حیثیت پچھلی غیر اسلامی مملکت سے مختلف قرار دی جا سکتی تھی اور نہ اس کے ساتھ کوئی، مختلف رویہ اختیار کیا جا سکتا تھا۔" جماعت اسلامی ص۳۷ ۔

پھر یہ کافرانہ مملکت بیک جنبش کس طرح اسلامی مملکت بن گئی مودودی صاحب فرماتے ہیں۔ "اصولاً ایک تحریری دستور رکھنے والے ملک میں صرف اس کی دستور ساز اسمبلی یا اسی نوعیت کے اختیارات رکھنے والی کوئی مجلس ہی وہ آئینی زبان ہو سکتی ہے جس سے شہادت اسلام ادا ہونے پر اسے اسلامی ریاست قرار دیا جا سکتا تھا۔ ہماری نوزائیدہ مملکت نے جب اپنی آئینی زبان سے یہ شہادت ادا کر دی۔ تو جس روز شہادت ادا ہوئی۔ ٹھیک اسی روز جماعت اسلامی کی مجلس شوریٰ نے اس کے ایک اسلامی مملکت ہونے کو تسلیم کر لیا۔" جماعت اسلامی ص۳۷ یعنی کافرانہ مملکت کو اسلامی ہونے کا شرف مودودی صاحب سے اس بنیاد پر مل گیا۔ کہ کافرانہ

مملکت کی دستوری زبان نے کلمہ شہادت ادا کر دیا اور بس یہاں مودودی صاحب کو نہ یہ یاد رہا۔ مودودی صاحب نے یہاں اس کی ضرورت نہ سمجھی کہ کلمہ شہادت ادا کرنے سے پہلے کچھ "کچھ شرط لازم" بھی ہیں۔ جن کا تحقیق ہونا چاہئے۔ اور نہ اس کی ضرورت سمجھی کہ کلمہ شہادت ادا کرنے کے بعد وہ لازمی۔ اور فوری تغیرات جن کا عملی زندگی پر طاری ہونا ضروری ہے۔ وہ طاری ہوئے یا نہیں؟ حالانکہ یہ تغیرات اپنی اہمیت کے لحاظ سے اتنے ضروری ہیں کہ ان کے متعلق مودودی صاحب کا فتویٰ یہ ہے کہ "یہ تغیرات جس شخص کی زندگی میں فوراً رونما نہ ہوں۔ اس کے متعلق سمجھا جائے گا۔ کہ وہ کلمہ شہادت ادا کرنے میں صادق نہ تھا۔ اور اس بنا پر وہ جماعت میں نہ لیا جائے گا۔ یا لیا جا چکا ہو۔ تو خارج کیا جائیگا" دستور جماعت اسلامی ص۱۱

اب مودودی صاحب کے الفاظ ہی میں۔ یہ بھی پڑھ لیجئے۔ کہ اس کافرانہ مملکت نے اپنے جن نمائندوں کے اقرار سے کلمہ شہادت ادا کیا تھا۔ اس کلمہ شہادت کے ادا کرنے کے بعد اس کی عملی زندگی کا کیا حال رہا۔ مودودی صاحب فرماتے ہیں۔

"ہم اسے بھول نہیں سکتے کہ پاکستان بننے سے پہلے یہ لوگ اسلامی ریاست کے مفہوم اور تصور میں کچھ گھپلا کرتے رہے ہیں۔ نہ یہ بھول سکتے ہیں۔ کہ پاکستان بننے کے بعد مسلسل ۱۹ مہینے تک یہ کس طرح اسلامی ریاست کی

سوال کو ٹالتے رہے۔ اور اس سے بچنے کے لئے کیسی کیسی چالیں انہوں نے چلیں۔ نہ یہ بھول سکتے ہیں کہ قرارداد مقاصد کی کڑوی گولی کس بدمزگی کے ساتھ انہوں نے حلق سے اتاری۔ نہ یہ بھول سکتے ہیں کہ قرارداد مقاصد پاس کرنے کے بعد کوئی برائے نام تغیر بھی انہوں نے پچھلے ۳۰ مہینوں کے اندر اپنی حکومت کے طور و طریق میں نہیں کیا۔ جسے اس امر کے ثبوت میں پیش کیا جاسکتا ہو۔ کہ انہوں نے یہ قرارداد نیک نیتی کے ساتھ منظور کی تھی پھر وہ دستوری سفارشات تو ابھی پچھلے ہی سال ہمارے سامنے آچکی ہیں۔ جو ان حضرات نے ایک مدت کی کاوش کے بعد مرتب کی تھیں۔ اور جن میں یہ لوگ بے نقاب ہو کر ایک سراسر غیر اسلامی دستور کا خاکہ لئے ہوئے سامنے آکھڑے ہوئے تھے۔" جماعت اسلامی ص۹۷

یہ عبارت اس امر کی صریح شہادت ہے کہ دستوری زبان میں کلمہ شہادت ادا کرنے کے بعد حکومت کے کافرانہ طور وطریق پر کوئی برائے نام تغیر بھی پیدا نہیں ہوا۔ اس بنیاد پر ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ مملکت پاکستان کے متعلق مودودی صاحب کا فتویٰ یہ ہوتا۔ کہ مملکت پاکستان کلمہ شہادت ادا کرنے میں صادق نہیں ہے۔ اور جب صادق نہیں ہے۔ تو پھر اس کے مسلمان صادق ہونے کا فتویٰ نہیں دیا جائے گا اور نہ اس کی بنیاد پر دارالاسلام قرار دے کر کافرانہ مملکت کے سارے

محرمات کو یک قلم حلال ہونے کا اعلان کر دیا جائے گا۔ مگر ہوا کیا۔

مودودی صاحب کے الفاظ میں پڑھئے۔ مودودی صاحب کافرانہ مملکت کے بارے میں فرماتے ہیں۔

"پاکستان بننے سے پہلے متحدہ ہندوستان میں جو مملکت قائم تھی۔ اس کا دستور صریح طور پر ایک کافرانہ دستور تھا اس میں اسلامی ریاست کی کسی خصوصیت کا شائبہ تک موجود نہ تھا۔ اس لئے ہماری پوزیشن یہ تھی

۱۔ ہم اس کی تمام ملازمتوں کو اصولاً حرام سمجھتے تھے۔ ۲۔ اس کے قانون کو جائز قانون تسلیم نہ کرتے تھے۔ ۳۔ اس کی عدالتوں میں جج، وکیل، یا مدعی کی حیثیت سے جانے کو شرعاً ممنوع خیال کرتے تھے۔ ۴۔ اس کی مجالس قانون سازی کی رکنیت اور اس کے انتخابات میں حصہ لینے کو منافی قرار دیتے تھے۔ ۵۔ اور ہمارا عقیدہ یہ تھا کہ ایسی ریاست میں سانس لینا بھی ایک مسلمان کے لئے جائز نہیں ہے۔ الا یہ کہ وہ اسے دارالاسلام میں تبدیل کرنے کی جدوجہد کرے۔" "جماعت اسلامی" ص۲۷

اس فرمان کے ساتھ یہ بھی یاد رکھئے کہ پاکستان بننے کے بعد مملکت پاکستان کا دستور کلمہ شہادت ادا کرنے کے پہلے جوں کا توں کافرانہ دستور تھا۔ اور اس کا جناب مودودی صاحب کو اعتراف ہے۔ حوالہ پہلے گذر چکا ہے کلمہ شہادت ادا کرنے کے بعد مملکت پاکستان کے اندر حکومت کی

طور وطریق میں برائے نام بھی کوئی تغیر نہیں ہوا۔ اس بنیاد پر اصولاً
مودودی صاحب کے دستور جماعت اسلامی کی روشنی میں بجائے اس
کے کہ فتویٰ یہ ہوتا کہ مملکت پاکستان اس کلمہ شہادت کے ادا کرنے میں
چونکہ صادق نہیں ہے ۔ لہٰذا اس کی حیثیت کافرانہ میں کوئی فرق پیدا نہیں
ہوا۔ مقام تعجب ہے کہ مودودی صاحب کا یہ فتویٰ کہ اب کافرانہ مملکت
دارالاسلام ہے ۔ اور کافرانہ مملکت کے سارے محرمات یک قلم حلال
ہو گئے چنانچہ ان کی جانب سے جو اعلان ہوا وہ ان ہی کے الفاظ میں
پڑھئے ۔

"ہماری نوزائیدہ مملکت نے جب اپنی آئینی زبان سے یہ شہادت
ادا کردی ۔ تو جس روز یہ شہادت ادا ہوئی ۔ ٹھیک اسی روز جماعت اسلامی
کی مجلس شوریٰ نے اس کے ایک اسلامی مملکت ہونے کو تسلیم کر لیا۔ اور اس
کے ۲۴ روز بعد پوری آئینی پوزیشن کا جائزہ لے کر یہ اعلان کیا کہ اب
اس ریاست کی شرعی حیثیت سابق غیر مسلم ریاست سے بالکل مختلف ہو چکی ہے
۱۔ اب اس کی ملازمت جائز ہے ۔ ۲۔ اس کے قوانین اپنی عارضی
نوعیت میں قابل تسلیم ہیں ۔ ۳۔ اس کی عدالتوں میں جانا حلال ہے۔ ۴۔
اس کی اسمبلی و پارلیمنٹ کے انتخابات میں ہر حیثیت سے حصہ لیا جا سکتا ہے۔"
"جماعت اسلامی ص۷۴" ۔

اللہ اللہ اس حقیقی زہد و تقویٰ کے مقابلہ میں اصطلاحی زہد و تقویٰ
کو کیا تاب مقاومت ہو سکتی ہے ۔ اب صاحب نظر اور معقولیت پسند
حضرات سوچیں اور فیصلہ کریں ۔ کہ "جماعت اسلامی" کے ہندوستانی
اسلام اور پاکستانی اسلام میں کتنا فرق ہے ؟ ۔ اور کیسا فرق ہے ؟
اور غالباً ان دونوں طریقِ اسلام پر مودودی صاحب کا یہ فرمانا حق بجانب
ہوگا کہ "اس کی دعوت ۔ طریق کار ۔ اور اصول تنظیم وہی ہیں ۔ جو قرآن
و سنت کے مطابق اقامت دین کی سعی کرنے والی ایک جماعت کے ہونے
چاہئیں" یہ آپ اوپر پڑھ چکے ہیں کہ قرارداد مقاصد پاس کرنے کے بعد کوئی
برائے نام تغیر بھی انہوں نے پچھلے ۳۰ مہینوں کے اندر اپنی حکومت
کے طور طریق میں نہیں کیا ۔ یعنی وہی کافرانہ نظام ۔ کافرانہ طور و
طریق ۔ کافرانہ قوانین باقی رہے ۔ ہاں اتنا فرق ہوا کہ نمائندوں
کی دستوری زبان نے کلمہ شہادت ادا کر دیا ۔ باقی ان کا عملی دستور
اور آئین ۔ جس پر حکومت کا کاروبار چل رہا ہے ۔ ہنوز بحالہ کافرانہ
دستور اور آئین ہے ۔ یہ اس امر پر صریح شہادت ہے ۔ کہ ریاست
کا موجودہ دستور کافرانہ ہے ۔ اور جب دستور کافرانہ ہے ۔ تو موجودہ دستور
کی موجودگی میں یہ کس طرح جائز ہو گیا ۔ کہ ۔ "اس کے قوانین اپنی عارضی
نوعیت میں بھی قابل تسلیم ہیں ("جماعت اسلامی ص۷۳") جب کہ وہ ..

قوانین از سرتاپا کافرانہ ہیں ۔ اور کافرانہ مملکت میں برائے نام بھی تغیر
نہیں ہوا ہے ۔ اور کلمہ شہادت کی ادائیگی بھی اس عدم تغیر کی بنا پر صادق
نہیں ہے ۔ اور پھر یہ کلمۂ شہادت بھی قرارداد کی شکل میں نیک نیتی سے ادا
نہیں کیا گیا۔ بلکہ صرف پبلک کے دباؤ سے یہ کڑوی گولی بدمزگی کے ساتھ
حلق سے اتاری گئی ۔ کسی چیز کو جبرًا برداشت کرلینا یا کسی چیز کو الضرورات
تبیح المحذورات کی شکل میں اختیار کرلینا ۔ یا کسی چیز کو اھون البلیتین
کے اصول پر معمول بجا بنالینا ۔ اور امر ہے ۔ اور کسی چیز کو قابل تسلیم سمجھ کر
اختیار کرنا ۔ اور کسی چیز کو آئینِ اسلامی کا مقتضیٰ سمجھ کر قبول کرنا ۔ اور امر ہے
مودودی صاحب اور ان کی مجلس شوریٰ نے اس کو آئین کا مقتضیٰ سمجھ
کر قبول کیا ہے ۔ اور پوری آئینی پوزیشن کو سمجھ کر اور اس پر غور کر کے
اختیار کیا ہے ۔ اور جبرًا نہیں بلکہ طوعًا پوری خوش گواری کے ساتھ قبول
کیا ہے ۔ اور اپنی جماعت اسلامی کی برکات سے ایک برکت اس کو بھی قرار
دیا ہے ۔ اور اپنے ہی الفاظ میں سہی ۔ مودودی صاحب نے اپنے اس عمل
پر خود ہی اپنی تحسین فرمائی ہے ۔ اور دنیا کو بتانا چاہا ہے کہ ؎

ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

مگر جناب سے اگر پوچھا جائے کہ کیا ان حقیقتوں کے سامنے آجانے کے
بعد کہ نمائندگان اسمبلی کی زبان نے جن کو آپ دستوری زبان فرما رہے ہیں ۔

جب نیک نیتی سے کلمہ شہادت ادا نہیں کیا ۔ اور نہ خوش گواری کے ساتھ
اس کڑوی گولی کو حلق سے فرو کیا ۔ بلکہ پبلک کے دباؤ سے بدمزگی کے
ساتھ اقرار کیا ۔ اور عملاً تمام کافرانہ قوانین کو علی الاعلان جاری رکھا
اور برائے نام بھی کوئی تغیر رونما نہیں کیا ۔ یہ صورت حال اس کی مقتضی
ہے ۔ کہ ان کو اس اقرار میں صادق سمجھا جائے اور کیا واقعیت اور حقیقت
کے لحاظ سے کوئی سمجھدار اس کو واقعی اور حقیقی اقرار سمجھے گا ؟
اور ایسا سمجھنا درست اور صحیح ہوگا ؟ اور کیا کسی حقیقت پسند کا
ضمیر اس طرح کے اقرار پر مطمئن ہوگا ؟ اور اس پر حقیقی حیثیت سے
دارالاسلام کی بنیاد رکھے گا ؟ ۔ یا ایسا کرنا اور ایسا سمجھنا خود اپنے
نفس کو فریب میں مبتلا کرنا ہوگا ۔ اور خلق خدا کو فریب دینا ہوگا اور
اللہ تعالیٰ کو بھی بزعم خویش فریب دینا ہوگا ۔ کیا ایک کافر شخص کے
متعلق ایسی حالت میں کہ اس نے نیک نیتی سے کلمۂ شہادت ادا نہ کیا
ہو ۔ بلکہ کسی دباؤ سے اقرار کیا ہو ۔ اور پوری بدمزگی کے اظہار
کے ساتھ اقرار کیا ہو ۔ اور کراہت سے ایک کڑوی گولی کی طرح
اس کو حلق سے فرو کیا ہو ۔ اور علی الاعلان کافرانہ اعمال اور شعار
کے ساتھ ملتبس رہتا ہو ۔ اور معمولی سا بھی تغیر رونما نہ کیا ہو ۔ بلکہ
سابقہ کفر پرستی اور شرک پرستی میں مبتلا ہو ۔ اس کو سچا اور صادق

مسلمان کہا جائے گا ؟ اور اس کے ساتھ مسلمانوں کا سا برتاؤ کیا جائے گا ؟ ۔ اور
اور اس کے ساتھ مسلمان لڑکی کا نکاح قبول کیا جائے گا ۔ ؟ اور شرعًا ایسا کرنا
درست ہوگا ؟ اگر اس کو صادق مسلمان سمجھنا صحیح نہ ہوگا تو مملکت کافرہ کو اس طرح
کی صورت حال میں کیسے مسلمان سمجھنا درست ہوگا ۔ اور اس کو دار الاسلام قرار
دینا شرعًا صحیح ہوگا ۔ اور اسلامی مملکت کے تمام احکام کی چادر اس پر اڑھانا
جائز ہوگا ؟ اور ایک قلم سارے محرمات شرعیہ کو حلال ٹھہرانا مباح ہوگا ۔ اور اس
"جماعت اسلامی کے لئے جس کی شان میں مودودی صاحب قصیدہ ،
مدحیہ پڑھتے ہوئے نہیں تھکتے ۔ کہ ۔

"ایک اگر اشتراکی اپنے اشتراکی اخلاق اور متفرنجین اپنی فرنگی سیرت
کے ساتھ میدان میں موجود ہیں ۔ تو دوسری "جماعت اسلامی" بھی خالی
خولی تقریریں اور تحریریں اور اجتماعی سرگرمیاں لئے ہوئے سامنے نہیں آگئی
ہے ۔ بلکہ وہ انفرادی سیرت اور اجتماعی اخلاق بھی ساتھ لائی ہے ۔ جو اسلام
کی اگر مکمل نہیں تو کم از کم صحیح نمائندگی ضرور کرتی ہے" ۔ جماعت اسلامی ص۸۰

اس کو دار الاسلام قرار دینا اور اس کا اعلان کرنا اس کی صحیح نمائندگی ہوگی
بہرحال مودودی صاحب اور ان کی "جماعت اسلامی" کی یہ دو عملی خالص حیثیت سے اسلام
کی دعوت ہے ۔ اسکا فیصلہ ہم انصاف پسند حضرات کے ذمہ چھوڑتے ہیں خصوصًا مودودی صاحب کی اس واضح
اعتراف کے ساتھ اگر کسی ریاست کا دستور صریح طور پر اپنے کفر کی گواہی دے رہا ہو

تو اس کے کارپردازوں ، اور ، کارفرماؤں میں محض افراد کی صورتیں
دیکھ کر ، یا ان کے دعوائے اسلام سے بھری ہوئی تقریریں سن کر
اس کے مسلم ریاست ہونے کا فیصلہ نہیں کیا جاسکتا اور نہ اس ریاست
کے ساتھ وہ معاملہ کیا جاسکتا ہے ۔ جو شرعًا صرف ایک مسلم ریاست
ہی کے ساتھ کیا جاسکتا ہے "جماعت اسلامی ص۸۰ ۔

اس کے علاوہ بھی مودودی صاحب ایک دوسری جگہ فیصلہ فرما
چکے ہیں ۔ کہ ہندوستان اور پاکستان کا دستور یکساں ہوگا ۔ ملاحظہ
کیجئے "اس موقعہ پر یہ بات قابل ذکر ہے کہ مسلم لیگ کے کسی ریزولیشن
اور لیگ کے ذمہ دار لیڈروں میں سے کسی کی تقریر میں آج تک یہ
بات واضح نہیں کی گئی کہ ان کا آخری مطمع نظر پاکستان میں اسلامی
نظام حکومت قائم کرنا ہے ۔ برعکس اس کے ان کی طرف سے بصراحت
اور بتکرار جس چیز کا اظہار کیا گیا ہے ۔ وہ یہ ہے کہ ان کے پیش نظر
ایک ایسی جمہوری حکومت ہے ۔ جس میں دوسری غیر مسلم قومیں بھی
حصہ دار ہوں گی ۔ مگر اکثریت کے حق کی بنا پر مسلمان کا حصہ غالب
ہوگا ۔ بہ الفاظ دیگر ان کو مطمئن کرنے کے لئے صرف اتنی بات کافی ہے
کہ ہندو اکثریت کے تسلط سے وہ صوبے آزاد ہوجائیں جہاں مسلمانوں
کی اکثریت ہے ۔ باقی رہا نظام حکومت تو وہ "پاکستان" میں بھی ویسا

ہی ہوگا۔ جیسا "ہندوستان" میں مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش حصہ سوم ص۱۰۶۔

اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ مودودی صاحب کے نزدیک نظام حکومت کے لحاظ سے دونوں مملکتوں میں کوئی فرق نہیں ہوگا پھر کس طرح یہ باور کیا جائے۔ کہ مودودی صاحب پاکستان کے نظام حکومت کے بارے میں صادق ہیں جب کہ واقعات اور جماعت کے اصول اس کے خلاف شہادت دے رہے ہیں۔ اور مزید برآں یہ کہ موجودہ دستور جو ایوب گورنمنٹ نے مرتب کیا تھا اس نے تو مودودی صاحب کی تمام تاویلات پر پانی پھیر دیا ہے۔ خود مودودی صاحب نے ایک جگہ اس کو بیان کیا ہے۔ کہ موجودہ دستور ایک شخص کا بنایا ہوا ہے اور عملاً نافذ ہونے تک پوری قوم کی زبان بند رکھی گئی۔ مودودی صاحب، کے الفاظ درج ذیل ہیں۔ مطالعہ فرمائیے۔

"پھر یہ اختیارات حاصل کر لینے کے بعد کسی شخص کو دستور کے مسئلے پر زبان کھولنے کا حق نہیں دیا گیا۔ ایک فردِ واحد نے ملک کا دستور بنایا اور اس دستور کے عملاً نافذ ہو جانے تک پوری قوم کی زبان بند رکھی گئی" ترجمان القرآن مارچ ۱۹۶۳ء ص۱۴۱

اس اقتباس کو اور کلمۂ شہادت کی مذکورہ بحث کو پیش نظر

رکھتے ہوئے غور فرمائیں کہ دونوں میں کہاں تک تطابق ہے۔ اور مودودی صاحب کا الیکشن میں حصّہ لینا، موصوف کے قواعد و اصول کے پیش نظر کہاں تک حلال و حرام ہوگا۔

تحریک مودودی کی انتخابی جدوجہد

"اب ہم کو اس امر میں کوئی شک نہیں رہا کہ ہماری اجتماعی زندگی اور قومی سیاست کو جن چیزوں نے سب سے بڑھ کر گندہ کیا ہے۔ ان میں سے ایک امیدواری اور پارٹی ٹکٹ کا طریقہ ہے۔ اسی بنا پر جماعت اسلامی نے یہ فیصلہ کیا ہے۔ کہ اس ناپاک طریقۂ انتخاب کی جڑ کاٹ دی جائے جماعت اسلامی نہ اپنے پارٹی ٹکٹ پر آدمی کھڑے کریگی۔ نہ اپنے ارکان کو آزاد امیدوار کی حیثیت سے کھڑا ہونے کی اجازت دے گی۔ نہ کسی ایسے شخص کی تائید کریگی جو خود امیدوار ہو۔ اور اپنے لئے ووٹ حاصل کرنے کی کوشش کرے۔ خواہ انفرادی طور پر یا کسی پارٹی ٹکٹ پر۔ یہی نہیں بلکہ جماعت اپنی انتخابی جدوجہد میں خاص طور پر یہ بات عوام الناس کے ذہن نشین کریگی کہ امیدوار بن کر اٹھنا اور اپنے حق میں ووٹ مانگنا آدمی کے غیر صالح اور نااہل ہونے کی پہلی اور کھلی ہوئی علامت ہے۔ ایسا آدمی جب کبھی اور جہاں کہیں سامنے آئے لوگوں کو فوراً سمجھ لینا چاہئے کہ یہ ایک خطرناک شخص ہے

اس کو ووٹ دینا اپنے حق میں کانٹے بونا ہے" بحوالہ جماعت اسلامی کی انتخابی
جدوجہد" المنیر" لائل پور، ستمبر ۱۹۶۳ء یاد رہے کہ مودودی صاحب کے یہ
احکامات شرعیہ ۱۹۵۰ء-۵۱ء کی انتخابی مہم میں ناکامی کے بعد کے ہیں اب آپ متذکرہ
بالا احکام کو پیش نظر رکھئے۔ اور پھر یہ بھی دیکھئے کہ ان احکامات کے پرخچے
کس طرح اڑائے جاتے ہیں۔ اس میں خاص، خاص الفاظ مثلاً سب سے
بڑھ کر گندہ کیا، ناپاک طریقہ انتخاب کی جڑ کاٹ دی جائے، امیدوار ہو کر اپنے حق
میں ووٹ مانگنا آدمی کے صالح، نا اہل ہونے کی پہلی اور کھلی ہوئی علامت ہے
یہ ایک خطرناک شخص ہے، اس کو ووٹ دینا اپنے حق میں کانٹے بونا ہے۔ وغیرہ
وغیرہ پیش نظر رہنے چاہئیں۔ اس کے بعد آپ مودودی صاحب کا دوسرا
فیصلہ دیکھے" جماعت اسلامی نے ۱۹۵۰ء-۵۱ء کے انتخابات کے موقع پر ایک
ایک پالیسی کا اعلان کیا تھا۔ اور وہ یہ تھی کہ امیدواری چونکہ اسلام
میں ناجائز ہے۔ اس لئے ہم نہ خود امیدوار بن کر کھڑے ہوں گے اور نہ کسی
امیدوار کو ووٹ دیں گے۔ بعد میں تجربات سے ہم کو معلوم ہوا کہ ہم ابھی اس
پوزیشن میں نہیں ہیں۔ کہ ہر ضمنی اور عام انتخاب میں پورے ملک کی ہر نشست
کے لئے اپنے معیار مطلوب کے مطابق موزوں امیدوار کھڑے کر سکیں۔
اس بنا پر ہم نے سابقہ پالیسی میں یہ تغیر کر دیا کہ ہم خود تو امیدوار بن کر کھڑے
ہونے سے بدستور مجتنب رہیں گے۔ لیکن فاسد عناصر کے

شر کو رفع کرنے اور ان کے مقابلہ میں نسبتاً صالح اور اسلامی نظام
کے حامی عناصر کو آگے بڑھانے کے لئے جن امیدواروں کی تائید
ناگزیر محسوس ہوگی انہیں ووٹ دیں گے بھی اور دلوائیں گے بھی"
" ترجمان القرآن بابت مئی ۱۹۵۸ء صـ ۱۲۳"

آپ دونوں اقتباسات کو پیش نظر رکھتے ہوئے اور انصاف
کا دامن تھام کر فیصلہ کیجئے۔ کہ یہ کیا ہے۔ اور اس اسلام کی نمائندہ
جماعت کا کردار کیسا اور کیا ہے۔ مودودی صاحب تو ہر دو خیالات یا
احکامات کو ٹھیک ٹھیک دینی نظام کے مطابق فرما رہے ہیں۔ اور
اس تضاد کو یکسر دین کے خلاف نہیں سمجھ رہے۔ اور یہ فرما رہے
ہیں۔ ہر معقول آدمی ایسا ہی محسوس کریگا۔ اب آپ خود بخود
سوچیں کہ آپ معقول آدمی ہیں یا غیر معقول۔ بہرحال مودودی صاحب
کے الفاظ ملاحظہ فرمائیے اور غور کیجئے۔

" ہر معقول آدمی بیک نظر محسوس کر لے گا کہ ہماری یہ نئی پالیسی
ٹھیک ٹھیک دینی نظام کے مطابق ہے اور اس میں دراصل کوئی
اصول شکنی نہیں کی گئی" ترجمان القرآن مئی ۱۹۵۸ء

جی! بالکل نہیں۔ آپ کی ہر بات دینی نظام کے ٹھیک ٹھیک
مطابق ہوتی ہے۔ اور آپ کبھی اصول شکنی نہیں کرتے۔!

اس فیصلہ کے بموجب یہ سوال سامنے آیا کہ جماعت اسلامی کی حمایت صرف "صالحین" تک ہی محدود رہے۔ یا کسی اور پارٹی کے امیدوار کی بھی حمایت کی جائے گی۔ اس کے بارے میں ارشاد ہوا کہ جماعت اسلامی ان امیدواروں کی حمایت کریگی "جن کا کردار اور چلن ماضی میں بے داغ رہا ہو۔ اور جو اسلامی نظریہ کے لئے کام کرے"

(روزنامہ امروز۔ ۲۰ راگست ۱۹۶۳ء)

لیکن جب آپ سے دریافت کیا کہ اگر کنونشن مسلم لیگ کا کوئی امیدوار جماعت اسلامی کے معیار پر پورا اترتا ہو تو کیا یہ جماعت اس کی حمایت کریگی۔ تو آپ نے فرمایا کہ۔

"اگر کنونشن مسلم لیگ کسی فرشتے کو بھی امیدوار کھڑا کریگی تو جماعت اس کی حمایت نہیں کریگی۔ کیونکہ ہمیں اس کے اصولوں سے اتفاق نہیں

(حوالہ مذکورہ روزنامہ امروز)

اور اس کے مقابل یہ بھی فرمایا کہ "اگر ایک ہندو جمہوری نظام کی حمایت کرتا ہے۔ تو اسے میری تائید حاصل ہوگی۔ اس لئے کہ اس نے یہ اصول تو تسلیم کرلیا کہ ملک کا نظام اکثریت کے نظریئے کے مطابق ہونا چاہئے (حوالہ مذکورہ روزنامہ امروز)

واقعی ہر معقول آدمی بیک نظر محسوس کرے گا کہ آپ کی یہ نئی

پالیسی ٹھیک ٹھیک دینی نظام کے مطابق ہے۔ اور کوئی غیر معقول آدمی ہی ہوگا جو اس سے انکار کریگا۔ غیر معقول کہئے یا غیر صالح مطلب دونوں کا ایک ہی ہے۔ اس لئے کہ ہر صالح آدمی معقول ہے "سبحان اللہ و ماشاء اللہ کیسے، کیسے فیصلے فرمائے جا رہے ہیں۔ سیاست بھی کیا یاد رکھے گی۔ کہ مجھے ایک امیر الصالحین ملا تھا ؎

چشم اگر ایں ست وابرو ایں و ناز و عشوہ ایں۔
الفراق اے ہوش و تقویٰ الوداع اے عقل و دیں

ان سب باتوں کے باوجود اپنی جماعت کے بارے میں مودودی صاحب کا "قصیدہ مدحیہ بھی دیکھتے چلئے

"ہم دراصل ایک گروہ تیار کرنا چاہتے ہیں جو ایک طرف زہد و تقویٰ میں اصطلاحی زاہدوں اور متقیوں سے بڑھ کر ہو اور دوسری طرف دنیا کے انتظام کو چلانے کی قابلیت وصلاحیت بھی عام دنیا داروں سے زیادہ اور بہتر رکھتا ہو" رسالہ دعوت اسلامی اور اس کے مطالبات ص۵۲

ان بڑھے ہوئے زاہدوں اور متقیوں کے کرتوت کی ایک جھلک میں آپ کو دکھانا چاہتا ہوں۔ آپ ذرا سنجیدہ ہو کر پڑھئے۔

"کراچی ۲۵ راپریل (اسٹاف رپورٹر) جماعت اسلامی، نے

میونسپل الیکشن میں منافرانہ اور منافقانہ رول ادا کیا۔ اس کا بھانڈا
اس طرح پھوٹا کہ وارڈ ۲۱ میں بوتھ نمبر ۱ و ۲ و ۱۳ و ۱۷ پر جماعت اسلامی کے چند ووٹروں
کو چیلنج کیا گیا۔ اور دوسرے امیدواروں کے ایجنٹ صاحبان نے ان پر اعتراض
کیا تو جماعت اسلامی کے یہ فرضی ووٹر بوکھلا گئے۔ ایک نے اپنے مکان کا اصلی
پتہ بتادیا اور جو پتہ اس کو یاد کرایا تھا وہ بھول گیا دوسرے ووٹر نے اپنے
باپ کا اصلی نام بتلا دیا۔ اور جس کے نام کی پرچی لے کر ووٹ دینے آیا تھا اس
کے باپ کا نام بھول گیا ایک ووٹر نے اپنا نام غلط بتلا دیا دوسرے امیدواروں
نے پولنگ افسران سے کہا کہ وہ ان کو گرفتار کریں یہ جعلی ووٹر ہیں مگر بوتھ ۱
بوتھ ۲ بوتھ ۱۳ اور بوتھ ۱۷ کے پولنگ افسران نے جماعت اسلامی کے
ان جعلی اور فرضی ووٹروں کو اشارہ کیا کہ وہ چلے جائیں چنانچہ وہ سر پر پاؤں
رکھ کر بھاگے۔ مگر بوتھ ۱ سے جماعت اسلامی کا جو فرضی ووٹر بھاگا اسکو پکڑ لیا
اور پھر پولنگ افسر سے کہا کہ اس کے خلاف کارروائی کی جائے
"روزنامہ نئی روشنی کراچی ۲۶ اپریل ۱۹۵۸ء" یہ ہیں مودودی صاحب
کے صالح اور متقی، زاہد اور نہ جانے کیا کیا۔ آپ نے ان کے نیک کردار کا
یہ معمولی کرشمہ دیکھ لیا۔ اب میں اس سلسلہ میں کیا کہوں آپ خود ہی فیصلہ
کریں کہ یہ کس قسم کے لوگ ہیں اور یقین جانئے کہ۔

کہ ان کا امیر تو ان سے بھی بدرجہا بڑھا ہوا ہے۔

تحریک مودودی اور پارلیمانی پارٹیاں

"مجالس قانون ساز میں پارٹیاں بنانا ازروئے دستور ممنوع ہونا چاہیئے مختلف
جماعتیں اپنے اپنے نقطۂ نظر سے بہتر سے بہتر نمائندے منتخب کرانے کے
لئے انتخاب میں حصہ لے سکتی ہیں مگر منتخب ہو جانے کے بعد ارکان مجلس قانون
ساز کو پارٹیوں کی وفاداری سے آزاد ہو کر اپنے ضمیر و ایمان کے
مطابق اپنے فیصلے انجام دینے چاہئیں" دستوری تجاویز ص ۱۴۔

یہ مودودی صاحب کے متضاد اقوال اور تضاد عملی کا تازہ
شاہکار ہے۔ آپ مذکورہ عبارت کے لب و لہجہ کو دیکھئے کہ کس دھڑلے
سے فرمایا جا رہا ہے کہ مجلس دستور ساز میں پارلیمانی پارٹیاں ممنوع ہونا
چاہیئے اور مجلس قانون ساز کو پارٹیوں سے بالاتر ہو کر اپنے ضمیر و ایمان
کے مطابق اپنے فیصلے کرنے چاہئیں۔ لیکن جب دیکھا کہ ایسے کام نہیں
چلتا تو فوراً اس کے جواز کا فتویٰ دیا گیا۔ حلال کو حرام، حرام کو
حلال، جائز کو ناجائز، ناجائز کو جائز، قرار دے دینا، مودودی
صاحب کے بائیں ہاتھ کا کام ہے اس لئے کہ وہ مزاج شناس رسول ہیں
اور دین و سیاست کو بہتر سمجھتے ہیں۔ اور ایسا سمجھتے ہیں کہ ان کے علاوہ
کوئی دوسرا نہیں سمجھ سکتا۔ یا پھر ان کو بعض صالحین سمجھتے ہوں

لیکن انہیں فتویٰ دینے کا حق نہیں - خیر آپ مودودی صاحب کا فیصلہ
دیکھئے "جماعت اسلامی نے قومی اور صوبائی اسمبلیوں میں اپنی ،
پارلیمانی پارٹی بنانے کا فیصلہ کیا ہے - معلوم ہوا ہے کہ جماعت
اسلامی کی مجلس شوریٰ کے اجلاس میں یہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ قومی اور
صوبائی اسمبلیوں میں جماعت اسلامی سے تعلق رکھنے والے افراد
کو ہر اسمبلی میں پارلیمانی پارٹی قایم کرنے کی ہدایت کی جائے " روزنامہ
کوہستان لاہور - ۱۰ اگست ۱۹۶۲ء (۱۹۶۲ء) گویا ایک ہی چیز
بیک وقت جائز بھی ہو سکتی ہے - اور ناجائز بھی ہو سکتی ہے - اور
ایسا کرنا جناب مودودی صاحب کی صوابدید پر منحصر ہے -

اقتدار چھین لو

اقتدار کی ہوس بھی بہت بری بلا ہے جب
کسی کے دل میں یہ بیماری پیدا ہو جاتی ہے - تو اس کی نظر میں امتیاز
نیک و بد اٹھ جاتا ہے - اور پھر وہ اسی رو میں بہ کر ایسی ایسی ،
مذبوحی حرکات کر گذرتا ہے کہ عام حالات میں کوئی شریف آدمی اس
طرح کی نازیبا حرکت نہیں کر سکتا - اور خاص کر جناب مودودی
صاحب تو حصول اقتدار کے لئے دین و سیاست اور انسانیت کو
داؤ پر لگائے ہوئے ہیں - خدا ہی جانے وہ کب کامیاب ہوتے ہیں
یا نہیں - لیکن بے تاب ضرور ہیں -

"اسلام کی نگاہ میں یہ بات ہرگز کافی نہیں ہے کہ تم نے خدا کو خدا
اور اس کے قانون کو قانون برحق مان لیا - نہیں اس کو ماننے کے ساتھ
ہی آپ سے آپ یہ فرض تم پر عائد ہو جاتا ہے - کہ جہاں بھی تم ہو ،
جس سرزمین میں تمہاری سکونت ہو ، وہاں خلق خدا کی اصلاح کے
لئے اٹھو ، حکومت کے غلط اصول کو صحیح اصول سے بدلنے کی کوشش
کرو - ناخدا ترس اور شتر بے مہار قسم کے لوگوں سے قانون سازی
اور فرمانروائی کا اقتدار چھین لو اور بندگان خدا کی سربراہ کاری
اپنے ہاتھ میں لے کر خدا کے قانون کے مطابق آخرت کی ذمہ داری
و جواب دہی کا اور خدا کے عالم الغیب ہونے کا یقین رکھتے
ہوئے حکومت کے معاملات - انجام دو - اسی کوشش اور اسی
جدوجہد کا نام جہاد ہے " خطبات ص ۲۲۳ -

"تم روئے زمین پر خدا کے سب سے زیادہ صالح بندے ہوئے
لہٰذا آگے بڑھو - لڑ کر خدا کے باغیوں کو حکومت سے بیدخل
کر دو - اور حکمرانی کے اختیارات اپنے ہاتھ میں لو " خطبات
ص ۲۳۵ - تصریحات بالا سے آپ یہ بخوبی سمجھ گئے کہ حکومت
حاصل کرنے کے کن ذرائع کی رہبری فرمائی جا رہی ہے حقیقت
یہ ہے کہ اقتدار حاصل کرنے اور اس کا صحیح استعمال کرنے

کے لئے اسلامی اخلاق اور اوصاف سے متصف ہونا نہایت
ضروری ہے۔ قول وفعل اور خیال کی پاکیزگی۔ بات کی سچائی
معاملہ کی درستگی۔ بے حرصی۔ ایثار۔ خدا کا خوف۔ اختلاف و
مخالفت میں اخلاق و دیانت کے اٹل اصولوں کو۔ نظرانداز
نہ کرنا چاہئے۔ اقتدار حاصل کرنا کوئی شجرۂ ممنوعہ نہیں ہے
لیکن جن طریقوں سے ہمارے محترم مودودی صاحب حاصل کرنا
چاہتے ہیں۔ اسے کسی بھی حالت میں پسند نہیں کیا جاسکتا۔ آپ
استخلاص وطن کی جدوجہد اور تقسیم ملک کی جنگ میں غیر متعلق رہے
جیسا کہ آپ کو بھی اقرار ہے۔ تو پھر کس بنا پر آپ کو اس کا حق
پہنچتا ہے۔ کہ پورے پاکستان کے مختار مطلق بن سکیں۔ آپ
نے علمائے سیاسین اور جمہور اہل اسلام کے ساتھ جو سلوک روا
رکھا۔ اس کے بارے میں کچھ کہنا بیکار ہے۔ جن لوگوں نے آزادی
وطن کے لئے قربانیاں دی ہیں انہیں بہرحال اس کا حق پہنچتا ہے
کہ عوام کی خدمت کے لئے آگے بڑھیں۔ اور مملکت پاکستان کو
اسلامی، اصلاحی۔ معاشی اور فلاحی سطح پر لے جانے کی کوشش
کریں۔ اور اس کو ایک مثالی سلطنت بنا کر چھوڑیں قحط الرجال
کے باوجود اب بھی ایسے لوگ موجود ہیں جو اپنی خدا داد صلاحیتوں

کو بروئے کار لاکر ایسا کر سکتے ہیں۔ اور آپ کے پاس منفی پروگرام
کے علاوہ کوئی بھی مثبت پروگرام نہیں ہے۔ جس پر عوام جمع ہو کر
آپ کی حسب منشاء انقلاب برپا کرنے میں آپ کا ساتھ دے سکیں
آپ نے خود فرمایا ہے کہ "ہم اس بات کا کھلے بندوں اعتراف
کرتے ہیں کہ تقسیم ملک کی جنگ سے ہم غیر متعلق رہے ہیں۔ اس
کارکردگی کا سہرا ہم صرف مسلم لیگ کے سر باندھتے ہیں۔ اور اس
میدان میں کسی حصے کا اپنے آپ کو دعویدار نہیں سمجھتے" ترجمان القرآن
نومبر ۱۹۶۳ء ص ۶۹-۷۰

ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں ... مسلم لیگ کو ہی حق پہنچتا ہے
کہ وہ پاکستان کی فلاح و بہبود کا خیال رکھے اور اس کے استحکام
کے لئے ہر طرح کی قربانی دینے کے لئے تیار رہے۔ اور پاکستانی
عوام کو ہلالی پرچم کے تلے جمع کرے۔ اور آپ تقسیم ملک کی
جنگ سے نہ صرف غیر متعلق رہے۔ بلکہ آخر تک اس کی مخالفت
کرتے رہے۔ اور فرماتے رہے کہ اسلامی انقلاب پیدا کرنے
کے لئے تقسیم ملک سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔ چنانچہ آپ نے
ترجمان القرآن کے آخری شمارہ میں۔ جو جون ۱۹۴۷ء میں
شائع ہوا تھا۔ اس میں لکھا تھا جس سے یہ مترشح ہوتا تھا

مودودیت اور جمہوریت

"عموماً مجلس کے فیصلے کثرت رائے سے ہوں گے، مگر اسلام تعداد کی کثرت کو حق کا معیار تسلیم نہیں کرتا۔ قل لا یستوی الخبیث والطیب ولو اعجبک کثرۃ الخبیث۔ اسلام کے نزدیک یہ ممکن ہے کہ ایک اکیلے شخص کی رائے پوری مجلس کی رائے کے مقابلہ میں برحق ہو۔ اگر ایسا ہو تو کوئی وجہ نہیں کہ حق کو اس وجہ سے چھوڑ دیا جائے۔ کہ اس کی تائید میں جم غفیر نہیں ہے۔ لہٰذا امیر کو حق پہنچتا ہے۔ کہ اکثریت کے ساتھ اتفاق کرے یا اقلیت کے ساتھ، اور امیر کو یہ بھی حق ہے کہ پوری مجلس سے اختلاف کرکے اپنی رائے پر فیصلہ کرے" اسلام کا نظریہ سیاسی ص۴۵

ملک میں اس وقت جمہوریت کی بحالی اور بالغوں کے لئے حق رائے دہندگی کی ایک مہم جاری ہے۔ اور اس مہم میں مودودی صاحب اور ان کے صالحین آگے آگے نظر آتے ہیں۔ دوسری جماعتوں سے تو میرا روئے سخن نہیں ہاں البتہ تحریک مودودی ضرور موضوع بحث ہے عوام کس کے ساتھ ہیں۔ اور کس کے ساتھ نہیں۔ یہ بھی میرے پیش نظر نہیں۔

کہ آپ ہندوستان ہی میں رہیں گے" میں آپ لوگوں سے اکثر کہتا رہا ہوں کہ اسلامی انقلاب پیدا کرنے کا جتنا امکان مسلم اکثریت کے علاقوں میں ہے قریب قریب اتنا ہی امکان غیر مسلم اکثریت کے علاقوں میں بھی ہے۔ میری اس بات کو بہت سے لوگ ایک غرق تخیل آدمی کا خواب سمجھتے ہیں اور بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ غالباً یہ تصوّف کا کوئی نقطہ ہے جو ہماری سمجھ سے بالاتر ہے" حوالہ مذکورۃ الصدر"

مودودی صاحب کی مثال اس شخص کی ہے جو غیر ذمہ داری کے ساتھ ایک فتنہ انگیز بات کرجاتا ہے۔ پھر نادم ہو کر اس کی تلافی کرنا چاہتا ہے۔ مگر نہیں کرسکتا۔ اس وقت ان تمام عناصر کو جنہوں نے پاکستان کے لئے قربانیاں دی ہیں۔ ان کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنا ہی سب سے بڑا کام ہے اور منتشر قوتوں کا اجتماع ایک عظیم الشان کارنامہ ہے۔ لیکن مودودی صاحب کے نزدیک جماعت یا اجتماعی نظام کی کوئی اہمیت نہیں ہے "جن لوگوں نے قرآن اور حدیث کا بنظر غائر مطالعہ کیا ہے۔ وہ اس حقیقت سے بے خبر نہیں ہے۔ کہ اسلام کی نگاہ میں اصل اہمیت فرد کی ہے نہ کہ جماعت یا اجتماعی نظام کی" ترجمان القرآن جولائی اگست ۵۳ء ص۲۲
آپ غور فرمائیے کہ مودودی صاحب اس میں کیا فرمارہے ہیں اور کس چیز کی تعلیم دی جارہی ہے۔

جناب مودودی صاحب کے مندرجہ بالا اقتباس سے جو آپ نے
اسلامی نقطۂ نظر سے پیش کیا ہے ۔ میں سمجھتا ہوں کہ جب امیر کو یہ حق ہے
کہ وہ کثرت کا ساتھ دے یا اقلیت کا تو صالحین کی دستخطی مہم اور جمہوریت
کے لئے پوسٹر بازی محض ڈھونگ ہو کر رہ جاتی ہے ۔ اور رائے عامہ کو
گمراہ کرنے کے مترادف ہے ۔ جب مودودی صاحب اسلام کا یہ نظریہ پیش
کر دیتے ہیں کہ حق کو محض اس وجہ سے نہیں چھوڑا جا سکتا کہ اس کی تائید میں جم غفیر
نہیں ہے ۔ اور امیر کو اس کا بھی حق ہے کہ پوری مجلس کی رائے سے اختلاف
کر کے اپنی رائے پر عمل کرے ۔ اس کے علاوہ مودودی صاحب نے یہ بھی
تو فرمایا ہے ۔ کہ "مصلحین ۔ اور رہنمایان قوم کی حیثیت اطباء کی سی ہوتی
ہے ۔ جس طرح ایک طبیب ایک مریض کے مزاج اور دیگر احوال کو سامنے
رکھ کر مختلف اوقات میں اس کے لئے مختلف دوائیں تجویز کرتا ہے ۔ بالکل
اسی طرح قوم کے خادم بھی اس کے احوال کے مطابق اصلاح حال
کی کوششوں میں تغیر و تبدل کرتے رہتے ہیں اس تبدیلی کے متعلق آپ یہ
نہیں کہہ سکتے کہ اس کی تہ میں مریض کو مار ڈالنے کا جذبہ کام کر رہا تھا اسی
طرح ایک ہی مریض کے لئے بسا اوقات دو مختلف طبیب مختلف علاج
تجویز کرتے ہیں ۔ اور مریض بیک وقت ایک ہی طبیب سے علاج کرا سکتا ہے ۔
اب اگر ایک طبیب کے علاج سے مریض کو ایک حد تک افاقہ ہو جائے

تو کوئی عقلمند یہ نہیں کہہ سکتا کہ دوسرا طبیب اس مریض کا دشمن تھا ۔ اور
آئندہ وہ کبھی اس مریض کے قریب نہ پھٹکنے پائے ۔ اسی طرح کی باتیں یا تو
احمق لوگ کیا کرتے ہیں ۔ یا پھر وہ پیشہ ور لوگ جو اپنی پریکٹس کی اجارہ داری
چاہتے ہوں اور جن کے پیش نظر یہ بات ہو کر مریض چاہے ۔ جئے یا مرے ۔ مگر
ان کے مطب سے باہر نہ جانے پائے" ترجمان القرآن دسمبر ۱۹۶۳ء ص ۲۷
یہی مشفق طبیب والی مثال اگر مودودی صاحب دوسرے مصلحین
و لیڈران کے متعلق منطبق فرما دیں تو مخالفت اور اختلاف کافی حد تک
ختم ہو جائے ۔ لیکن افسوس تو یہ ہے کہ مودودی صاحب دوسروں کے متعلق
اچھی رائے نہیں رکھتے ۔ اور مذہب سیاست و دیگر امور میں اپنے آپ کو وحدہٗ
لاشریک سمجھتے ہیں ۔ اور کسی دوسرے شخص کی بات کو درخور اعتناء نہیں
سمجھتے ۔ جس کی وجہ سے اختلاف کی خلیج وسیع سے وسیع تر ہوتی چلی جاتی ہے
اور نتیجہ میں عوام کا نقصان ہوتا ہے ۔ جو بے چارے بالکل بے قصور ہوتے
ہیں ۔ اس وقت بحالی جمہوریت وغیرہ کے پروپیگنڈے سے ایسا معلوم ہوتا
ہے ۔ کہ جماعت کے پیش نظر اپنی امتیازی حیثیت کو مستحکم کرنا ہے ۔ اور اپنی
انفرادیت کو لوگوں میں پھیلانا ہے ۔ اس لئے کہ مختلف موقعوں پر اس چیز
کے تجربہ کرنے کا وقت ملتا ہے ۔ اور جماعت اسلامی کی یہ سوچی سمجھی اور
طے شدہ پالیسی ہے ۔ کہ جب کوئی ہیجان انگیز بات ہو تو آپ اپنے نظریات

کے پیش کرنے کے امتیاز کو ہاتھ سے نہ جانے دو۔ اس سلسلہ میں مودودی صاحب کی واضح ہدایت ہے۔ اور جماعت کا اس پر عمل ہے۔

"جماعت کے مقررین کو مشورہ دیتا ہوں کہ پہلے اپنی انفرادیت، یا دوسرے لفظوں میں امتیازی حیثیت کو خوب مستحکم کر لیجئے۔ اور بالکل جداگانہ طور پر اپنے نظریات پیش کرتے رہئے۔ البتہ اگر ممکن ہو کہ مارکیٹ میں جو خوش تقریر ریکارڈ خوب مقبول ہیں ان کے اندر آپ اپنا نغمہ بھر سکیں تو یہ صورت مفید سکے گی۔ مختلف لیڈروں اور مقرروں پر اپنا اثر اس حد تک پھیلا دیجئے کہ ان تقریروں میں خواہ مخواہ آپ ہی کے خیالات آنے لگیں جب وہ کچھ عرصہ تک محض قولاً ہمارے نظریات بیان کرتے رہینگے تو بعید نہیں کہ ایک روز انہیں اپنی ضمیر کی آواز اور رائے عامہ کے دباؤ سے اپنی عملی روش کو بھی بدلنا پڑے گا۔ یہ اسکیم اگر خوب وسعت کے ساتھ عمل میں لائی جائے تو آخر کار اجرت پر تقریر کرنے والے مقررین جنہوں نے پوری قوم کا مزاج بگاڑ رکھا ہے۔ اسٹیج سے ہٹا دیئے جائیں گے۔ اور کام کے آدمیوں کو پبلک خود سامنے لے آئے گی" ترجمان القرآن مارچ۔ اپریل ۱۹۴۴ء

اس سے آپ خود اندازہ لگائیں کہ تنظیم اور جماعت وغیرہ ساری چیزوں سے اپنے خیالات کا پھیلانا اور آہستہ آہستہ رائے عامہ کو اپنے مفید مطلب امور کی طرف متوجہ کرنا ہے۔ اس جمہوریت، جمہوریت کے ڈھونگ سے دراصل

مودودی صاحب کی مذکورہ اسکیم کو پورا کیا جا رہا ہے۔ ورنہ جماعت اسلامی میں خود جمہوریت نہیں۔ اور اس جماعت کے امیر کو ڈکٹیٹرانہ اختیارات حاصل ہیں اور اس جماعت کا خمیر ہی ڈکٹیٹرشپ سے اٹھایا گیا ہے۔ مودودی صاحب کا یہ مشورہ کہ پہلے اپنی انفرادیت کو خوب مستحکم کر لیجئے یہ ڈکٹیٹرانہ نظریہ نہیں ہے تو اور کیا ہے۔ حالانکہ خود مودودی صاحب ایک جگہ اس انفرادیت کی تردید کر چکے ہیں۔

" اسلام میں تمام کام نظام جماعت کے ساتھ ہوتے ہیں۔ انفرادیت کو اسلام پسند نہیں کرتا" خطبات پندرھواں ایڈیشن ص ۲۷۹

جب انفرادیت کو اسلام پسند نہیں کرتا تو پھر جماعت کے افراد کو اپنی انفرادیت کو مستحکم کرنے کا مشورہ دینا کیا معنی رکھتا ہے۔ جن جمہور کی آپ بات کرتے ہیں وہ آپ کے نزدیک جیسے ہیں وہ سب کو معلوم ہے۔ اس بحث کا اعادہ کرنا نہیں چاہتا اور پھر جمہوری انتخاب کے بارے میں خود مودودی صاحب کی رائے اچھی نہیں ہے۔ انہوں نے اس کو زہریلے دودھ سے تشبیہہ دی ہے۔

"جمہوری انتخاب کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے دودھ کو بلو کر مکھن نکالا جاتا ہے۔ اگر دودھ زہریلا ہو تو اس سے جو مکھن نکلے گا قدرتی بات ہے کہ وہ دودھ سے زیادہ زہریلا ہوگا۔ اسی طرح اگر سوسائٹی بگڑی ہوئی ہو تو اس کے ووٹوں سے وہی لوگ منتخب ہو کر برسر اقتدار آئیں گے۔ جو اس سوسائٹی کی خواہشات نفس سے سند قبولیت حاصل کر سکیں گے" سیاسی کشمکش سوم ص ۱۰۱

جب سوسائٹی ہی بگڑی ہوئی ہے۔ تو پھر جو لوگ بھی منتخب ہو کر آئیں گے وہ
وہ اسی سوسائٹی ہی سے آئیں گے۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ زہریلا مکھن تیار ہو جائے گا جو
کسی کے لئے بھی مفید ثابت نہیں ہو سکتا۔ پھر ایسے انتخاب کے لئے جو بھی سعی کی جائے
گی وہ رائیگاں ہوگی۔ خالی جمہوریت کی رٹ لگانے والوں سے اگر یہ کہا جائے کہ آپ
مودودی صاحب کے نظریات کی روشنی میں جمہوریت کی تعریف کر دو تو شاید وہ
بغلیں جھانکنے لگیں۔ کیا آپ بتا سکیں گے کہ ہندوستان میں جب مسلمانوں کی اکثریت
قائداعظمؒ کے ساتھ تھی تو آپ کے نزدیک اسلام کی رو سے اکثریت کافرانہ حکومت
قائم کرنے کا ذریعہ تھی۔ اور اب اسی اکثریت کی رو سے جو حکومت مودودی صاحب
قائم کرنا چاہتے ہیں وہ عین اسلام ہوگی۔ آخر ایسا کیوں ہے؟ یہ اور اس قسم کی
دوسری باتیں لوگوں کو فریب دینے کے لئے وضع کی گئی ہیں۔ مقصد کچھ اور
ہوتا ہے۔ اور عوام کے سامنے ان کی حمایت حاصل کرنے کے لئے کچھ اور
پیش کر دیا جاتا ہے۔

جب جماعت اسلامی اپنے کسی اصول کی پابند نہیں تو پھر یہ کیسے
مان لیا جائے کہ یہ سب کچھ اصول کی سربلندی کے لئے ہو رہا ہے۔ کونسا ایسا
اصول ہے جو پائمال نہ کیا گیا ہو۔ "تحریک کے کچھ مقاصد ہیں جن کے حصول
کے لئے کبھی مذہب کا لبادہ اوڑھا جاتا ہے اور کبھی سیاست کی پرپیچ وادی میں
قدم رکھا جاتا ہے۔ اور اس راہ میں اپنے اصول تک قربان کر دئیے جاتے ہیں

اور کبھی مصلحت و ضرورت کی ڈھال میں پناہ لی جاتی ہے۔

جو بات آج دھڑلے سے کہی جاتی ہے کل اسی کے خلاف دوسری بات کہہ
دی جاتی ہے۔ اور نام دیا جاتا ہے "مصلحت وقت" مودودی صاحب نے بھی
اس کے متعلق لکھا ہے۔

"اس صورت حال میں جو شخص یہ چاہے کہ پہلا قدم آخری منزل پر ہی رکھوں گا
اور پھر دوران سعی میں کوئی مصلحت و ضرورت کی خاطر اپنے اصولوں میں کسی
استثناء اور لچک کی گنجائش بھی نہ رکھوں گا۔ وہ عملاً اس مقصد کے لئے کوئی
کام نہیں کر سکتا" ترجمان دسمبر ۱۹۶۳ء

چونکہ مودودی صاحب نے اپنے اصول لچکدار رکھے ہیں۔ اس لئے جب
کسی جانب سے کوئی اعتراض کیا جاتا ہے تو "جواب حاضر" کے طور پر معترض علیہ
کا کوئی دوسرا رخ دکھا دیا جاتا ہے۔ یا یہ کہہ دیا جاتا ہے۔ کہ یہ میرے خلاف
منظم سازش ہے۔ بہرحال عرض یہ کرنا تھا کہ مودودیت اور جمہوریت دونوں
میں کوئی مناسبت نہیں۔ ابتدا رکا اقتباس ایک دفعہ پھر پڑھ لیجئے تاکہ میرے
قول کی صداقت واضح ہو سکے۔

چونکہ تحریک مودودی سے مذہب اور ملک دونوں کو خطرہ ہے۔ اس لئے
آئندہ صفحات میں سلامتی پاکستان کے متعلق کچھ لکھا جائے گا۔ انشاء اللہ۔

مودودی اور پاکستان کے داخلی وخارجی امور

مودودی صاحب اور ان کی تحریک نے پاکستان کے قیام سے پہلے ہر طرح سے مسلم لیگ کی مخالفت کی تھی اور پاکستان کے متعلق ان تمام منصوبوں اور امیدوں کو جھوٹا بتایا تھا۔ جن سے تحریکِ پاکستان کو مدد مل سکتی تھی۔ قیامِ پاکستان کے بعد حکومتِ پاکستان نے تحریک مودودی کی ان مخالفانہ کوششوں کو مدنظر رکھتے ہوئے "تحریک" سے ایک مخالف کا سا برتاؤ کرنے کا جواز رکھتی تھی۔ لیکن ایسا نہ ہوا۔ بلکہ حکومت نے تحریک مودودی کے ساتھ پورا پورا تعاون کیا اور ان کی خدمات سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی گئی۔ ریڈیو پاکستان پر کثرت سے مودودی صاحب کی تقریریں کرائی گئیں۔ پناہ گزینوں کے کیمپوں میں ان سے بڑی مدد لی گئی۔ بلکہ بعض مقامی مذہبی جماعتوں کے مقابلہ میں انھیں ترجیح دی گئی۔ بایں ہمہ چونکہ مودودی صاحب کا شروع سے ہی یہ مقصد تھا کہ ان کی پارٹی زیادہ سے زیادہ سیاسی طاقت فراہم کر کے حکومت کی مشین پر قابض ہو جائے۔ ظاہر ہے کہ جب کسی پارٹی کے یہ ارادے ہوں تو حکومت سے آویزش ناگزیر امر ہے۔ مودودی صاحب نے اپنے سوچے سمجھے منصوبے کے تحت حکومت کی مشینری کو ہر مرحلہ پر جام کرنے کی کوشش کی اور لوگوں

کے دلوں میں حکومت کے خلاف بدگمانی پیدا کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا جس کی مثالیں آپ آئندہ صفحات میں ملاحظہ فرمائیں گے۔

سرکاری ملازموں کو حلف وفاداری سے باز رکھنے کی کوشش

حلف وفاداری کا قضیہ اس طرح پیش آیا کہ یوم آزادی کے بعد ہندوستان کی مرکزی اور صوبجاتی حکومتوں نے اپنے ملازمین سے کہا کہ وہ وفاداری کا حلف اٹھائیں۔ ایسے حلف عام طور پر ذمہ دار عہدہ داروں اور وزراء سے لئے جاتے ہیں۔ لیکن چونکہ یہاں آزادی نئی نئی ملی تھی اور ہر سرکاری ملازم (بالخصوص اقلیتوں) کی نسبت نہیں کہا جا سکتا تھا کہ وہ دل سے نظام حکومت کے وفادار ہیں۔ اس لئے ہندوستان میں چھوٹے چھوٹے ملازمین سے بھی یہ حلف لئے گئے۔ پاکستان میں عام طور پر یہ طریقہ اختیار نہیں کیا گیا۔ لیکن (مغربی) پنجاب کی حکومت نے (غالباً "ہندوستان کی مثال دیکھ کر) اپنے ملازمین کو حکم دیا کہ وہ حکومتِ پاکستان کی وفاداری کا حلف لیں بعض سرکاری ملازمین نے جو "جماعت اسلامی" سے وابستہ تھے امیرِ جماعت سے استصواب کیا۔ مودودی صاحب نے رائے دی کہ چونکہ اس حلف سے اس نظامِ حکومت سے وفاداری کی قسم کھانی پڑتی ہے "جو از روئے قانون قائم ہے" اس لئے یہ حلف اس وقت تک ناجائز ہے جب تک یہ نظام حکومت پورے طور پر اسلامی نہ ہو جائے۔ چنانچہ ایک دو سرکاری ملازموں نے اس مشورے کی تعمیل میں حلف لینے سے انکار کر دیا اور ان کے خلاف تحکمانہ کارروائی ہوئی۔ مثلاً "نوائے وقت"

کی اشاعت ۲ر ستمبر ۱۹۴۸ء میں لکھا ہے کہ " سول سیکرٹریٹ کے ایک اسسٹنٹ کو اس بنا پر معطل کر دیا گیا ہے کہ اس نے پاکستان سے وفاداری کا حلف اٹھانے سے انکار کر دیا۔ اور یہ کہا کہ میں اس صورت میں پاکستان کا وفادار رہ سکتا ہوں جس صورت میں اس کا نظامِ حکومت شرعی ہو" (بحوالہ جماعتِ اسلامی پر ایک نظر ص ۴۶)

مودودی صاحب کی ناسپاسی اور احسان فراموشی کی اس سے بدتر اور کیا مثال ہو سکتی ہے کہ جس ملک نے اُس کو اپنی آغوشِ عاطفت میں پناہ دی اُسی کے خلاف اس قسم کی سیاسی ریشہ دوانیاں شروع کر دیں۔ اسی بناء پر تو ہم یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ مودودی صاحب اور اس کے صالحین کی وفاداریاں پاکستان سے مشکوک اور ناقابلِ یقین ہیں اس لئے کہ پاکستان اُس وقت جس دور سے گذر رہا تھا اس وقت ایسی حرکات خود بقائے پاکستان کے لئے مہلک ثابت ہو سکتی تھیں۔ لیکن جب مودودی صاحب نے اس نازک گھڑی میں معاف نہیں کیا تو پھر آیندہ اُن سے وفاداری کی کیسے امید کی جا سکتی ہے؟ بلکہ اس سے بڑھ کر جب پاکستان عالمِ وجود میں آرہا تھا تو اس وقت مودودی صاحب فرماتے تھے کہ پاکستان کی ولادت ایک درندے کی پیدائش ہے۔ اور اس کی ولادت ان سب لوگوں کا منہ کالا کر دینے والی ہے جنھوں نے پچھلی ربع صدی میں ہمارے ملک کی سیاسی تحریکوں کی قیادت فرمائی ہے۔ مودودی صاحب کے الفاظ یہ ہیں۔

"کیا یہ سب کچھ جو واقع ہوا محض ایک یہ اتفاقی حادثہ تھا۔ جو لوگ پچھلے تیس سال سے اس ملک کی رہنمائی کرتے رہے ہیں۔ اور جن کی قیادت میں یہ انقلاب رونما ہوا ہے

وہ ایسا ہی کچھ ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ وہ اس فسادِ عظیم کے اسباب کی بحث کو باتوں میں ٹالنا چاہتے ہیں۔ وہ اسکی ایک شاعرانہ توجیہہ ہمارے سامنے پیش کرتے ہیں کہ کشت و خون اور ظلم و ستم کا یہ مظاہرہ کوئی غیر معمولی چیز نہیں ہے جس پر کچھ فکرمند ہونے کی ضرورت ہو۔ یہ تو ایک آزاد قوم کی ولادت کے درد ہیں۔ جو ایسے موقع پر ہوا ہی کرتے ہیں۔ حالانکہ اگر یہ ولادت کے درد ہی تھے تو یہ دنیا کو ایک درندے کی پیدائش کی خوشخبری دے رہے تھے۔ نہ کہ ایک انسان کے تولد کی . . . . . . یہی وہ نتیجہ ہے جس سے بچنے کے لئے پچھلے دردناک واقعات کے اسباب کی بحث کو باتوں میں اڑانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ کیونکہ یہ بحث ان سب لوگوں کا منہ کالا کر دینے والی ہے جنھوں نے پچھلی ربع صدی میں ہمارے ملک کی سیاسی تحریکوں کی قیادت فرمائی ہے۔"

ترجمان القرآن جون ۱۹۴۸ء ص ۵۹

آپ نے اندازہ لگایا کہ پاکستان کی ولادت گویا ایک درندے کی ولادت ہے اور ہمارے لیڈر اس فسادِ عظیم کی بحث کو باتوں میں ٹالنا چاہتے ہیں۔ مطلب یہ ہوا کہ ہمارے لیڈر بے حس اور پاکستان کا معرضِ وجود میں آجانا ان کے لئے ایک کلنک کا ٹیکہ ہے اور یہ فتنہ و فساد جو ہو رہا ہے وہ سب لیڈران کی غلط اندیشیوں کا نتیجہ ہے اب ان سب حالات کو درست کرنے اور پرانی غلطیوں کے ازالہ کے لئے ملک کی قیادت ہمارے حوالہ کر دینی چاہئے۔ بس ان کا کام یہ تھا کہ انھوں نے جیسا کیسا بھی پاکستان بنا دیا۔ اب انھیں اپنی قیادت میرے اور میرے صالحین کے سپرد کر کے سرخروئی

حاصل کرلینی چاہیئے اور اسلامی حکومت کرنے کی اہلیت جو ان میں نہیں ہے۔ اس کو
انھیں محسوس کرتے ہوئے اور اپنے صادق الوعد ہونے کا ثبوت بہم پہنچاتے ہوئے اور
اسلام کے معاملہ میں مخلص ہونے کی بناء پر انھیں اقتدار سے دستبرداری کا اعلان
کر دینا چاہیئے۔

" ایک یہ کہ جن لوگوں کے ہاتھ میں اس وقت زمام کار ہے وہ اسلام کے معاملہ
میں اتنے مخلص اور اپنے وعدوں کے بارے میں جو انھوں نے اپنی قوم سے کئے تھے
اتنے صادق ہوں کہ اسلامی حکومت قائم کرنے کی جو اہلیت ان کے اندر مفقود ہے۔ اسے
خود محسوس کریں اور ایمانداری کے ساتھ یہ مان لیں کہ پاکستان حاصل کرنے کے
بعد ان کا کام ختم ہو گیا" ترجمان القرآن ستمبر ۱۹۴۸ء

معلوم نہیں کہ مودودی صاحب کس خوش فہمی میں مبتلا ہیں جو یہ فرما رہے ہیں۔ آج
تک کبھی ایسا ہوا ہے کہ انقلاب کے بعد بانیانِ انقلاب نے حکومت کسی دوسرے شخص
کے حوالے کر دی ہو۔ شاید اتمام حجت کے طور پر ایسا کہا گیا ہو کہ تم ایسے ہی مان جاؤ
تاکہ مجھے وہ حربے استعمال نہ کرنے پڑیں جو اب تک کئے جا رہے ہیں۔ اس کے بعد
عہدوں کا معاملہ آیا تو اس میں بھی بدترین قسم کی نکتہ چینی کر کے حکومت کو ہدف ملامت
بنایا اور لوگوں کو باور کرانا چاہا کہ یہ سب کچھ غیر منصفانہ طریق پر کیا جا رہا ہے۔

" جماعت اسلامی کی شوریٰ نے اپنی قرارداد میں بڑے واشگاف الفاظ
میں کہا ہے۔ کہ ایک مدت سے ہمارے یہاں یہ طریقہ اختیار کیا گیا ہے کہ قانون پاس

کرتے ہوئے بالعموم ایک دفعہ اس مضمون کی رکھ دی جاتی ہے۔ کہ اس قانون کے تحت
جو احکام جاری ہوں گے ان کو کسی عدالت میں زیر بحث نہیں لایا جا سکتا۔ اس کے معنی یہ
ہیں کہ روز بروز عدالتوں کو انصاف طلب معاملات سے بیدخل کیا جا رہا ہے۔ جمہوریت
کی بہت سی مسلمہ روایات توڑی جا رہی ہیں۔ . . . . آج ہمارے ہاں عدالت ہائے
عالیہ کے ججوں کو اس لالچ میں مبتلا کر دیا گیا ہے۔ کہ وہ ریٹائر ہونے کے بعد دوسرے
عہدے حاصل کر سکتے ہیں بشرطیکہ انتظامیہ کو خوش رکھیں۔ ایک طرف منظور نظر ججوں
کو سیاسی دائرے میں لایا جا رہا ہے۔ اور دوسری طرف سیاسی دائرے کے
لوگوں کو ان کی خدمات کے صلے میں عدالتی عہدے عطا کئے جا رہے ہیں"

ترجمان القرآن ستمبر ۱۹۶۲ء ص ۱۳

گویا اس طرح انتظامیہ اور عدلیہ پر بداعتمادی پھیلائی جا رہی ہے۔ اور عوام کو
یہ باور کرایا جا رہا ہے کہ پاکستان میں نظامت اور عدالت دونوں مفلوج اور جانبدار
ہیں۔ ان سے کسی قسم کی بھلائی کی توقع رکھنی فضول ہے، حالانکہ یہ واقعات کے سراسر
خلاف ہے۔ اور اس میں ذرہ بھر بھی صداقت نہیں۔ اخبار بیں طبقہ جانتا ہے کہ آئے
دن ہم دیکھتے ہیں کہ عدالتیں حکومت کی منشاء اور پالیسی کے خلاف فیصلے کرتی رہتی
ہیں، اور اس طرح معیارِ عدالت قائم کئے ہوئے ہیں اور حکومت بے چون وچرا
ان کے فیصلے تسلیم کرتی ہے۔ لیکن مودودی صاحب کا مطلب تو یہ ہے کہ کسی نہ کسی
طرح حکمرانوں کے خلاف بدگمانیاں پیدا کر کے انتشار پھیلایا جائے۔ تاکہ لوگ "جماعت اسلامی"

ے وجود کی ضرورت محسوس کریں۔ اور کوشش کر کے مودودی صاحب کو حکمرانی کے تخت پر لا کر بٹھا دیں۔ حالانکہ موجودہ وقت میں ایسا ہونا تقریباً ناممکن ہے۔ اس لئے کہ مودودی صاحب اور ان کی تحریک اپنی غلط اندیشیوں اور خطرناک پالیسیوں کی وجہ سے عوام میں کافی بدنام ہو چکی ہے۔

چونکہ حلف وفاداری کے مسئلہ پر حکومتِ پنجاب سے ان کی چپقلش ہوئی تھی۔ اسی وجہ سے فوجی بھرتی کا قضیہ نامرضیہ بھی پیش آیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ فوج میں جماعتِ اسلامی کے ارکان کی شمولیت پر مجلس شوریٰ نے ۱۰ر اپریل ۱۹۴۸ء کے اجلاس میں کوئی فیصلہ کیا تھا جس کی روشنی میں قیمِ جماعت نے چند ماہ بعد ایک خط کے جواب میں لکھا تھا کہ "موجودہ حکومت پاکستان غیر اسلامی ہے۔ اس لئے ہم مسلمانوں کو اس کی فوج یا ریزرو دستوں میں بھرتی ہونے کا مشورہ نہیں دے سکتے"۔ (بحوالہ نوائے وقت ۳۱ر اکتوبر ۱۹۴۸ء)

چونکہ اس خط میں ارکان جماعت کو بعض شرائط پورے ہونے تک فوجی ملازمت سے باز رہنے کی ہدایت کی تھی اس لئے حکومت نے "جماعت اسلامی اور دفاع پاکستان" کو جس میں اس طرح کا اظہار تھا۔ ضبط کر لیا۔ اسلامی جماعت سے عام مسلمانوں کو بڑی شکایت یہ تھی کہ جب تک انگریزوں کی حکومت تھی تو مودودی صاحب کے ہمدرد و معاون اور سرکاری افسر اور اہل کار انگریزی حکومت کی وفادارانہ خدمت کرتے رہے اور مودودی صاحب نے انھیں اس سے نہ روکا۔ نمائشی پروپاگنڈا دوسری چیز ہے۔ مگر کوئی شخص اس سے انکار نہیں کر سکتا کہ گورنمنٹ آف انڈیا کے بعض اعلیٰ افسر مودودی صاحب

کے معاون و سرپرست تھے۔ اور مودودی صاحب کو ان سے مالی اعانت بھی ملتی رہی حیرت ہے کہ جب تک انگریزی راج تھا مودودی صاحب نے نہ تو یہ فتویٰ دیا کہ لڑائی کے لئے فوج میں بھرتی حرام ہے۔ اور نہ یہ اعلان کیا کہ میرے معاونوں اور مریدوں کو انگریزی حکومت سے بغاوت کا اعلان کر دینا چاہیئے۔ لیکن پاکستان میں آ کر انھوں نے اپنا معیار کچھ اس ڈھنگ کا بنایا کہ پاکستان کے انتہائی مشکلات کے دور میں بھی قدم قدم پر ان کا حکومت سے تصادم ناگزیر ہو گیا۔ اب وہ اس پر مصر تھے کہ جب تک حکومتِ اسلامی نہ ہو جائے۔ اس کے ساتھ پوری وفاداری بلکہ اس کی فوجی ملازمت بھی ممنوع ہے۔ یہ اور اس طرح کے غلط اقدامات پر قومی اخبارات نے کڑی نکتہ چینی کی تھی بالخصوص "نوائے وقت" نے متعدد اداریے لکھے اور بتایا کہ جماعتِ اسلامی پاکستان کی بنیادیں کھوکھلی کرنے پر تلی ہوئی ہے۔ ایک مقالے کا عنوان تھا۔ "فوج کے بغیر دفاع" اس میں لکھا تھا۔ جماعت کے ارکان یہ کہتے ہیں کہ جہاں تک دفاعی سرگرمیوں کا تعلق ہے۔ وہ حکومت کے ساتھ تعاون کے لئے آمادہ ہیں۔ مگر حکومت کی فوج اور ریزرو آرمی میں بھرتی کا مشورہ دینے سے معذور ہیں۔ یہ پوزیشن بے حد احمقانہ اور خطرناک ہے سوال یہ ہے کہ فوج کے بغیر ملک کے دفاع کی کیا تدبیر ممکن ہے۔ اور وہ کونسی حکومت ہے۔ جو فوج اور ریزرو آرمی کے بغیر ملک کو دشمن سے بچا سکتی ہے"۔ ایک اور مقالہ کا عنوان تھا "مسئلہ دفاع اور فوجی بھرتی" اس میں بھی انہی خیالات کا اظہار تھا۔ لیکن اس سے بھی زیادہ تفصیلی بحث ۲۹ر اکتوبر ۱۹۴۸ء کے ایڈیٹوریل میں کی گئی جس کے اختتام

پر ایڈیٹر نے لکھا تھا" افسوس صد افسوس کہ ہندوستان میں تو مولینا حسین احمد مدنیؒ
مولینا ابوالکلام آزادؒ، مولینا حفظ الرحمٰنؒ اور مولینا احمد سعید مسلمانوں کو یہ مشورہ دے
رہے ہیں کہ حکومتِ ہند سے دل و جان کے ساتھ تعاون کریں۔ مگر پاکستان میں اسلامی
حکومت اور اسلامی نظام کے داعیوں کا یہ طائفہ مسلمانوں کو یہ مشورہ دے رہا ہے کہ
موجودہ حکومت غیر اسلامی اور موجودہ نظام کافرانہ ہے۔ لہٰذا دین میں تحریف کئے بغیر
اس سے تعاون ناممکن ہے۔ گویا اگر اس عدم تعاون کے طور پر خدانخواستہ پاکستان ختم
ہوجائے تو پھر یہاں اسلامی نظام رائج ہوجائے گا۔ جماعت اسلامی ہندوستان میں بھی
ہے اور اس کے امیر بھی مودودیت سے پوری طرح متاثر ہیں پھر یہ کیا بات ہے کہ ان سارے
فتوے پاکستان کے لئے ہی وقف ہیں؟ (جماعتِ اسلامی پر ایک نظر ص۵۵)

اس کے بعد مودودی صاحب کا یہ ارشاد بھی ملاحظہ فرمایئے جو انھوں نے قائد اعظمؒ،
لیاقت علی خانؒ، ناظم الدین وغیرہ کی قیادت کے زمانہ میں، فرمایا تھا۔

"پھر یہ عین وہی لوگ ہیں جو اپنی پوری سیاسی تحریک میں اپنی غلط سے غلط
سرگرمیوں میں اسلام کو ساتھ ساتھ گھسیٹتے پھرے ہیں۔ انھوں نے قرآن کی آیتوں اور حدیث
کی روایتوں کو اپنی قوم پرستانہ کشمکش کے ہر مرحلہ میں استعمال کیا ہے، انھوں نے پاکستان
کے معنی ہمیشہ لا الہ الا اللہ کے بیان کئے ہیں۔ لیکن افسوس کہ ان کی محبت اسلام کے
ان کی خدا پرستی کے، ان کی حُبِ رسول کے، قرآن کی دوستی کے، اور ان کی لا الٰہ خوانی کے
جو عملی مناظر پاکستان کی تیئیس ماہ کی تاریخ کے عجائب خانے میں آراستہ ملتے ہیں۔

ان کو دیکھ کر ہر حساس مسلمان کی گردن شرم سے جھکی جاتی ہے۔ کسی ملک و قوم کی انتہائی
بدقسمتی یہی ہوسکتی ہے کہ نااہل اور اخلاق باختہ قیادت، اس کے اقتدار پر قابض ہوجائے
ایک سفینۂ حیات کو غرق کرنے کے لئے طوفان کی موجیں وہ کام نہیں کرسکتیں جو اس
کے خیانت کار ملاح کرسکتے ہیں۔ کسی قلعہ کی دیواروں کو دشمن کے گولے اس آسانی سے
نہیں چھید سکتے جس آسانی سے اس کے فرض ناشناس سنتری اس کی تباہی
کا سامان کرسکتے ہیں۔ بالکل اسی طرح ایک ملت کے لئے بیرونی خطرے اتنے مہلک
نہیں ہوتے جتنا کہ نااہل قیادت کا داخلی خطرہ مہلک ہوتا ہے۔ پھر اگر حالات معمولی
نہ ہوں بلکہ ایک قوم کی تعمیر کا آغاز ہو رہا ہو، اور یہ آغاز بھی نہایت ناسازگار احوال
کے درمیان ہو رہا ہو، ایسے حالات میں کسی غیر صالح قیادت کو ایک منٹ کے لئے
بھی گوارا کرنا خلاف مصلحت ہے۔ ایک غلط قیادت کی بقاء کے لئے کسی طرح کی کوشش
کرنا ملک و قوم کے ساتھ سب سے بڑی غدّاری اور غلط قیادت سے نجات دلانے
کی فکر کرنا اس کی سب سے بڑی خیر خواہی ہے"۔ ترجمان القرآن جون، جولائی ۹ھ ص۷۶
اس سے بھی زیادہ وضاحت کے ساتھ مودودی صاحب نے ایک دوسری جگہ فرمایا
ہے۔ اور ایسا فرمایا ہے کہ شاید اس سے زیادہ نہ کہا جاسکے۔

"ہمارا اپنے آپ کو بندگیٔ رب کے حوالہ کر دینا اور اس کی حوالگی و سپردگی
میں ہمارا منافق نہ ہونا بلکہ مخلص ہونا اور پھر ہماری زندگی کو تناقضات سے پاک کرکے
مسلم حنیف بننے کی کوشش کرنا لازمی طور پر اس بات کا تقاضہ کرتا ہے کہ ہم اس

نظامِ زندگی میں انقلاب چاہیں جو آج کفر، دہریت، شرک، فسق و فجور اور بداخلاقی
کی بنیادوں پر چل رہا ہے۔ اور جس کے نقشے بنانے والے مفکرین اور جس کا عملی انتظام
کرنے والے مدبرین سب کے سب خدا سے پھرے اور اس کی شرائع و قیود سے نکلے ہوئے
لوگ ہیں۔ جب تک زمامِ کار ان لوگوں کے ہاتھ میں رہے گی اور جب تک علوم و فنون
آرٹ و ادب، تعلیم و تدریس، نشر و اشاعت، قانون سازی، اور تنفیذِ قانون، "اینا"
صنعت و حرفت، تجارت، انتظامِ ملکی اور تعلقات بین الاقوامی۔ ہر چیز کی باگ ڈور یہ
لوگ سنبھالے ہوئے رہیں گے کسی شخص کے لئے دنیا میں مسلمان کی حیثیت سے زندگی
بسر کرنا اور خدا کی بندگی کو اپنا ضابطۂ حیات بنا کر رہنا نہ صرف عملاً محال ہے۔ بلکہ اپنی
آئندہ نسلوں کو اعتقاداً بھی اسلام کا پیرو چھوڑ جانا ناممکن ہے۔ فساق اور فجار اور خدا
کے باغی اور شیطان کے مطیع دنیا کے امام اور پیشوا رہیں، اور پھر دنیا میں ظلم و فساد
بداخلاقی اور گمراہی کا دور دورہ نہ ہو۔ یہ عقل اور فطرت کے خلاف ہے اور آج تجربے
و مشاہدے سے کالشمس فی النہار ثابت ہو چکا ہے کہ ایسا ہونا ناممکن ہے۔ پس ہمارا
مسلم ہونا خود اس بات کا متقاضی ہے کہ ہم دنیا سے ائمۂ ضلالت کی پیشوائی ختم کر دینے
اور غلبۂ کفر و شرک کو مٹا کر دینِ حق کو اس کی جگہ قائم کرنے کی سعی کریں۔"

ترجمان القرآن جون۔ جولائی ۱۹۴۹ء صہ ۸۰

مندرجہ بالا اقتباسات اس امر کی بین دلیل ہیں کہ مودودی صاحب پاکستان
میں اُس کی قیادت اور اس کی جملہ کارروائیاں مٹا دینے کے درپے ہیں اور عوام کو

اس بات پر اکسا رہے ہیں کہ کسی غیر صالح قیادت کو ایک منٹ کے لئے بھی گوارا کرنا
خلافِ مصلحت اور اس سے نجات دلانے کی فکر کرنا پاکستان کی سب سے بڑی خیر خواہی
ہے۔ تعجب بالائے تعجب ہے کہ اس قسم کی ضروری باتیں انگریزی حکومت کے زمانے
میں کبھی بھی زبان و قلم پر نہ آسکیں۔ کیا اس وقت یہ دینی فریضہ عائد نہیں ہوتا تھا
جو پاکستان بننے کے بعد شدت سے عائد ہو گیا۔ اور ہندوستان کے اسلام کو اس
کسمپرسی کے عالم میں چھوڑ کر پاکستان کے مسلمانوں کو غیر صالح قیادت سے نجات
دلانے کے لئے اتنے بیتاب ہو گئے۔ اور اس بات کا نوٹس دے دیا کہ بغیر حکومت کے
اقتدار پر قبضہ کئے کوئی چارہ نہیں ہے۔

"لہٰذا اس "پارٹی" کے لئے حکومت پر اقتدار پر قبضہ کئے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے
کیونکہ مفسدانہ نظامِ تمدن ایک فاسد حکومت کے بل پر ہی قائم ہوتا ہے۔ اور ایک صالح
نظامِ تمدن اس وقت تک کسی طرح قائم نہیں ہو سکتا جب تک کہ حکومت مفسدین سے
مسلوب ہو کر مصلحین کے ہاتھ میں نہ آجائے" رسالہ جہاد فی سبیل اللہ صہ ۲۵

"جماعتِ اسلامی پاکستان کی مجلسِ شوریٰ ملک کے حالات کا تفصیلی جائزہ لینے کے بعد ایک مرتبہ پھر
اپنے اس فیصلہ کی توثیق کرتی ہے کہ اس ملک کی موجودہ قیادت اپنی ناکامی اور نااہلی پوری طرح ثابت کر چکی ہے
اور یہاں کسی خیر کی توقع اس وقت تک نہیں کی جا سکتی جب تک کہ یہ قیادت ایک صالح اور اہل تر قیادت سے نہ بدل جائے۔"

"اور اس طرح ایسے حالات پیدا کئے جا رہے ہیں جن میں پُرامن جمہوری اور آئینی
طریقوں سے حکومت کو تبدیل کرنا قطعی ناممکن ہو جائے گا اور تغیر کے لئے صرف انقلابی

طریقے ہی ممکن العمل رہ جائیں گے۔ جن کا استعمال مشکل ہی سے کسی ملک کے لئے سبب خیر ہوسکتا ہے"۔ ترجمان القرآن۔ جولائی، اگست، ستمبر ۱۹۵۰ء صـ ۲۷۲

آپ انقلابی طریقوں پر غور فرمائیے کہ وہ کیا اور کیسے ہوسکتے ہیں اور یہ بھی فیصلہ کیجیے کہ یہ تحریک پرامن تحریک ہے یا دہشت پسند؟

مسئلہ کشمیر اور تحریک مودودی کا کردار

حلفِ وفاداری اور فوجی بھرتی کے متعلق مودودی صاحب اور ان کے صالحین کی مذبوحی حرکتیں بیان کردی گئی ہیں اب مشہور واقعہ "جہادِ کشمیر" کا مختصر حال بیان کیا جاتا ہے۔ تاکہ ایک غیر جانبدار ناظر کے لئے رائے قائم کرنے میں سہولت ہو۔ اس کا آغاز اس طرح ہوا کہ مئی ۱۹۴۸ء کے دوسرے ہفتہ میں جناب مودودی صاحب جماعتِ اسلامی سرحد کے اجتماع پر پشاور تشریف لے گئے۔ وہاں ان دنوں جہادِ کشمیر کا بڑا چرچا تھا۔ قبائلی مجاہد پشاور سے گذر کر پونچھ اور کشمیر کے دوسرے مقامات کو جارہے تھے۔ مودودی صاحب کے قیام کے دوران میں آزاد کشمیر گورنمنٹ کے ایک بہی خواہ (جناب نبی بخش نظامی) نے اس زعم میں کہ الجہاد فی الاسلام کے مصنف کو جہاد سے دلچسپی ہوگی۔ اور ان کی رائے سے آزاد کشمیر گورنمنٹ کو اپنے مقصد میں مدد ملے گی۔ مودودی صاحب سے جہادِ کشمیر کے متعلق استفسار کیا۔ مودودی صاحب نے کچھ تامل کے بعد جہادِ کشمیر کی نسبت فرمایا۔

" پاکستان کے باشندوں کے لیے اس میں حصہ لینا اس وقت تک جائز نہیں

جب تک ان کی نمائندہ حکومت اور حکومتِ ہند کے درمیان معاہدانہ تعلقات ہیں"۔ ترجمان القرآن جون ۱۹۴۸ء صـ ۱۱۹

مستفسر یہ جواب سن کر ششدر رہ گیا اور فریقین میں کچھ تلخ سی بحث بھی ہوئی پشاور کے ایک مقامی اخبار میں اس گفتگو کا کچھ حصہ شائع ہوا۔ جب مودودی صاحب کی رائے یوں اشاعت پذیر ہوئی تو اخبارات میں ایک ہنگامہ مچ گیا اور اس بیان سے آل انڈیا ریڈیو اور جموں ریڈیو نے اپنے مطلب کے مطابق فائدہ اٹھایا۔ اس کا مودودی صاحب نے بھی اعتراف کیا ہے۔ اس کے بعد سے اب تک اس غلط فتوے کی بہت سی تاویلیں کی گئی ہیں جو قابلِ اعتناء نہیں ہیں۔ مودودی صاحب نے بھی ترجمان میں اس مسئلہ پر شرعی حیثیت سے بحث کی تھی اور فرمایا تھا کہ ان کی رائے دراصل قرآن مجید کے ایک صریح حکم پر مبنی ہے۔

والذین آمنوا ولم یھاجروا مالکم من ولایتھم من شئ حتی یھاجروا وان استنصروکم فی الدین فعلیکم النصر الا علی قوم بینکم وبینھم میثاق واللہ بما تعملون بصیرہ

اور جو لوگ ایمان تو لائے مگر ہجرت کرکے تمہارے پاس نہیں آئے۔ ان کی ولایت کا کوئی تعلق تم سے نہیں ہے جب تک کہ وہ ہجرت کرکے نہ آجائیں۔ البتہ اگر وہ دین کے معاملہ میں تم سے مدد مانگیں تو مدد کرنا تم پر واجب ہے۔ مگر کسی ایسی قوم کے خلاف نہیں جس کے اور تمہارے درمیان معاہدہ ہو۔ اور اللہ دیکھتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔ اس آیت سے جناب مودودی صاحب کا استدلال کہاں تک درست

ہے اور اس آیت شریفہ کا صحیح مطلب کیا ہے۔ اس کا حل مودودی صاحب نے حسب عادت خود ہی کر دیا ہے یعنی بعد میں حالات سے مجبور ہو کر اپنی یہ رائے بدل دی۔ معلوم ہوتا ہے کہ علماء کی مخالفت اور اراکین شوریٰ کے دباؤ میں آکر اپنی غلطی کو دبی زبان میں تسلیم کر لیا چنانچہ ۱۵-۱۶-۱۷ ستمبر کو جماعتِ اسلامی شوریٰ کا جو جلسہ ہوا اس میں حسب ذیل قرارداد منظور ہوئی۔" امیر جماعت اسلامی نے اپنے پچھلے بیانات میں جو شرعی مسئلہ بیان کیا تھا وہ اس حالت سے متعلق تھا جب کہ سرکاری طور پر اس امر کا کوئی اقرار و اظہار نہیں ہوا تھا کہ پاکستان کی فوجیں حدودِ کشمیر میں موجود ہیں۔ اب ۷؍ ستمبر کو مجلس اقوام متحدہ کے کشمیر کمیشن سے حکومت پاکستان کی جو مراسلت ہوئی ہے اور وزیر خارجہ پاکستان نے ۸؍ ستمبر کو جو بیان دیا ہے۔ ... اس امر کا واضح اقرار و اظہار موجود ہے۔ اور حکومت ہند بھی ... مطلع ہو چکی ہے۔ اس بنا پر اس کا شرعی حکم وہ نہیں ہوگا جو پہلے تھا ...... اس انکشاف کے بعد امیر جماعت اور مجلس شوریٰ کی متفقہ رائے یہ ہے کہ اب معاہدانہ تعلقات کے باوجود پاکستان کے لئے جہاد کشمیر میں جنگی حصہ لینا بالکل جائز ہے"۔ (مودودی کی نظر بندی ص۱۲) مودودی صاحب کو مجبوراً یہ رائے بدلنی پڑی ورنہ کمیشن کی مراسلات کی اشاعت سے وہ شرائط پوری نہیں ہوئی تھیں جن پر مودودی صاحب کو اصرار تھا۔ کیوں کہ اس سے قبل مودودی صاحب اپنی رائے بدیں الفاظ ظاہر کر چکے تھے"۔ دو قوموں کے درمیان چند معاملات میں معاہدانہ تعلق اور ایک دو معاملوں میں حالت جنگ کا قیام ایک ایسی متناقض بات ہے جس

کا کوئی معقول آدمی تصور نہیں کر سکتا۔ معاہدانہ تعلقات خواہ کسی نوعیت کے ہوں بہر حال اس امر کو مستلزم ہیں کہ دونوں قومیں ایک دوسرے کے خلاف جنگی کارروائی نہیں کریں گی۔ کسی امر میں اگر ان کے باہم نزاع ہو تو جب تک معاہدانہ تعلقات قائم ہیں۔ اس نزاع کو پُر امن طریقہ ہی سے سلجھانے کی کوشش کی جائے گی۔ اور اگر وہ کسی طرح نہ سلجھ سکے تو جنگ کا فیصلہ کرنے سے پہلے ان تمام دوستانہ تعلقات کو ختم کرنا ہوگا، جو ان کے درمیان قائم تھے" (ترجمان القرآن بابت جون ۱۹۴۸ء)

ظاہر ہے کہ اس امر کے تسلیم کر لینے سے کہ کشمیر میں پاکستان کی فوجیں ہیں دوسرے معاملات میں حکومت ہند اور حکومت پاکستان کے درمیان "معاہدانہ تعلقات" ختم نہیں ہو گئے تھے۔ بلکہ وزیر خارجہ کے اعلان سے "چند معاملات میں معاہدانہ تعلق اور ایک یا دو معاملوں میں حالت جنگ کا قیام سے وہ "متناقض بات" پیدا ہو گئی تھی جس کا بقول مودودی صاحب کوئی معقول آدمی تصور نہیں کر سکتا"

حقیقت یہ ہے کہ مجلس شوریٰ کی رائے کے زیر اثر مودودی صاحب کو اپنی رائے بدلنی پڑی۔ علانیہ ایک بڑی غلطی تسلیم کرنا مودودی صاحب اور "جماعت اسلامی" دونوں کی شہرت کو ٹھیس لگاتا۔ اس لئے یہ شرعی حیلہ ڈھونڈا گیا کہ مراسلت کی اشاعت کے بعد صورت حالات بدل گئی ہے۔ اب شرعی حکم بھی مختلف ہے۔ غالباً مجلس شوریٰ کو امید تھی کہ اس فیصلہ کے بعد حکومت اور عوام کی شکایات دونوں کے دل سے دھل جائیں گی مگر جس انداز سے کئی مہینوں تک مودودی صاحب ایک نہایت نازک مسئلہ میں اپنی

مفسدانہ رائے پر جمے رہے۔ اور پھر اس کے علاوہ جس طریقہ سے سرکاری ملازموں کو
حلف وفاداری سے باز رکھ رہے تھے۔ اس کے پیش نظر حکومت نے فیصلہ کیا کہ ان کی
کوششیں ملک کی سلامتی کے لئے مضر ہیں اور ۴ر اکتوبر ۱۹۴۸ء کو انہیں اور ان
کے دو رفقاء کو نظر بند کر لیا گیا (جماعت اسلامی پر ایک نظر)

اس سلسلے میں نوائے وقت لاہور نے مختلف اوقات میں بڑے اچھے انداز سے
مودودی صاحب کے غلط نظریات پر تنقید کی تھی جو قابل ذکر ہے۔

"مودودی صاحب علم دین کے لحاظ سے کوئی زیادہ ممتاز شخصیت نہیں۔ آپ
ایک اچھے انشاء پرداز اور ادیب ہیں۔ مگر دین کے متعلق آپ کا علم کچھ زیادہ قابل اعتماد
نہیں۔ مگر بد قسمتی سے مودودی صاحب صرف علم و ادب میں منتہی ہونے کے دعویدار ہی
نہیں۔ امارت کے مدعی بھی ہیں۔ اس لئے آپ برابر اس پر اصرار کئے جا رہے ہیں کہ باقی
سب کی رائے غلط ہے۔ اور جو میں کہتا ہوں وہی صحیح ہے۔ مولانا مودودی کی رائے یہ ہے
کہ از روئے معاہدہ مہاراجہ کشمیر کو ہندوستان سے الحاق کا حق حاصل تھا۔ اور
پاکستان یہ نہیں کہہ سکتا کہ کشمیر کے معاملہ میں ہمارا ہندوستان سے سرے سے کوئی
معاہدہ ہی نہیں۔ مولانا سب جھگڑوں اور مصیبتوں کی ذمہ داری ہمارے لیڈروں
کی پیہم غلطیوں پر ڈالتے ہیں یعنی ان کے نزدیک عبداللہ، ہری سنگھ اور پٹیل تو بے گناہ
و بے قصور ہیں اور سارا قصور جناح۔ عباس اور ابراہیم کا ہے۔"

نوائے وقت لاہور ۱۵ر اگست ۱۹۴۸ء)

"پاکستان ہی دنیا بھر میں ایک ایسا عجیب و غریب ملک ہے جس میں ایک
جماعت (جماعت اسلامی) مذہب کے نام پر ملک اور ریاست کی وفاداری سے انکار
کر رہی ہے۔ تو دوسری جماعت (ترقی پسند کمیونسٹ) ادب کے نام پر۔ پاکستان میں
ایسے عناصر بھی ہیں جو پبلک اسٹیج پر تو نہیں۔ ہوٹلوں، کلبوں۔ نجی صحبتوں۔ دفتروں اور
گلی کوچوں میں مسلمانوں سے یہ کہتے ہوئے بالکل نہیں جھجکتے کہ ہم نہ کہتے تھے کہ پاکستان
نہ مانگو۔ پاکستان بنا اور مسلمانوں پر مصیبتیں نازل ہوئیں۔ اب بیٹھ کر اپنی قسمت کو روؤ۔
اس پاکستان میں آپ کو ایسے لوگ مل جائیں گے جن کی تقریر و تحریر کا زور یہ ثابت کرنے
میں صرف ہو رہا ہے کہ قیام پاکستان کے بعد مسلمان مضبوط نہیں بلکہ کمزور ہو گئے ہیں
اور ان تمام مصائب کے ذمہ دار قائداعظم کی غلط لیڈرشپ پر عائد ہوتی ہے۔ قائداعظمؒ
نے پے در پے مہلک غلطیاں کیں اور مسلمانوں کو تباہی و بربادی کے اس غار میں لا پھینکا
جس کا نام پاکستان ہے۔ اور پاکستان ہی ایسا ملک ہے جس کے باشندوں کو یہ اجازت
ہے۔ کہ کشمیر میں ڈوگروں، سکھوں اور ہندوستانی فوجوں کی انتہائی ظالمانہ اور
خطاکی سرگرمیوں کو دیکھنے کے باوجود کھلم کھلا یہ پروپیگنڈہ کریں کہ کشمیر کی لڑائی جہاد
نہیں اور اگر پاکستان کے مسلمان کشمیر کے مسلمانوں کو اس جنگ میں مدد دیں گے
تو گناہ کے مرتکب ہوں گے۔ سوال یہ ہے کہ ان عناصر کی تخریبی سرگرمیوں سے کب تک
اغماض کیا جائے گا" (نوائے وقت لاہور ۱۸ر اگست ۱۹۴۸ء)

"اس ملک میں بعض لوگ اب تک ریاست کی جڑیں کاٹنے میں مصروف ہیں

وہ ریاست کی بنیاد ہی کو غلط بتاتے ہیں۔ اور اس سے وفاداری کا حلف اٹھانے سے انکار کرتے ہیں۔ حکومت اور ریاست کا فرق بہت باریک رہ گیا ہے۔ اور بعض عناصر اس سے ناجائز فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ وہ ریاست پر براہِ راست حملہ ہی نہیں کرتے بلکہ قائداعظمؒ اور قائداعظمؒ کے ساتھیوں اور نائبین پر حملہ کرتے ہیں۔ اور آزادیٔ تحریر و تقریر کی آڑ میں حکومت کی جڑیں کھوکھلی کرنے میں مصروف ہیں۔ شہری آزادی کا یہ ایک ایسا حق ہے۔ جس کا استعمال خود ملک کے شہریوں کے حق میں مہلک ثابت ہوگا"

نوائے وقت لاہور ۱۹؍اگست ۱۹۴۸ء

"ہم ان لوگوں کے حامی نہیں جو محض اپنی لیڈری کی دکان چمکانے کے لئے شریعت کا نعرہ بلند کر رہے ہیں اور ایسے لوگوں کی تعداد کچھ کم نہیں۔ ان میں ایک گروہ ایسے افراد کا ہے جو مختلف وجوہ سے ۱۵؍اگست ۱۹۴۷ء تک پاکستان کی مخالفت کرتے رہے ہیں۔ اور آج بھی ان کی رائے یہی ہے کہ مسلم لیگ نے مسلمانوں کے سامنے پاکستان کا نصب العین رکھ کر غلطی کی۔ مگر چونکہ عامۃ المسلمین پاکستان کے خلاف کوئی بات سننے کے روادار نہیں اور یوں بھی پرانی پالیسی اب خالی از خطر نہیں اس لئے یہ بزرگ نئے بھیس بدل کر مسلمانوں کے سامنے آ رہے ہیں۔ بقول کسے جن لوگوں کے نزدیک کل تک ایک مسلمان حکومت کے قیام کا مطالبہ غلط تھا۔ آج وہ اسلامی حکومت کے قیام کے داعی و علمبردار ہیں۔ مگر مسلمانوں اور اسلام کی خدمت نہ پہلے ان کا مقصد تھا نہ اب ہے۔ ان بزرگوں نے نہ پہلے کبھی مسلمانوں کی جدوجہد

میں حصہ لیا اور نہ آج کوئی حصہ لے رہے ہیں۔ ان کی حیثیت پہلے بھی نکتہ چین، تماشائیوں یا دشمنوں کے خفیہ سرداروں کی تھی اور آج بھی وہ دور از کار موشگافیوں میں مشغول ہیں۔ اور مین میخ نکالنے ہی کو قوم کی سب سے بڑی خدمت سمجھتے ہیں"۔

(نوائے وقت لاہور ۳؍جولائی ۱۹۴۸ء)

"جو لوگ اس مطالبے (اسلامی حکومت) کی آڑ لے کر اور اسلام کو بہانہ بنا کر ملک کی جڑیں کھوکھلی کرنے میں مصروف ہیں وہ دانستہ یا نادانستہ ملک سے غداری کر رہے ہیں اور ان سے وہی سلوک ہونا چاہیے جو دنیا کے دوسرے ملکوں میں غداروں سے ہوتا ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ حضرت عثمانؓ اسلام کے نام پر ہی شہید کئے گئے۔ حضرت علیؓ کو جام شہادت پلانے والے بھی اسلام کے نام پر ہی میدان عمل میں اترے تھے۔ اور خارجیوں کا نعرہ بھی اسلام ہی کا تھا۔ (نوائے وقت لاہور ۱۰؍اکتوبر ۱۹۴۸ء

چونکہ جو کچھ ہم کہنا چاہتے تھے اس کو نوائے وقت نے بڑے اچھے طریقہ سے کہہ دیا ہے اس لئے ہم نے وہ سب نقل کر دیا تاکہ پڑھنے والا سمجھ سکے کہ پاکستانی عوام تحریکِ مودودی کے متعلق کیا رائے رکھتے ہیں اور تحریکِ مودودی کیسے خطرناک اور کتنے خطرناک مراحل سے گزر رہی تھی۔ اس کے بعد مسئلہ کشمیر پر مودودی صاحب کی فحش غلطی کا علماء پر کیا ردِ عمل ہوا اس کو بالاجمال لکھا جاتا ہے تاکہ واضح ہو جائے کہ مودودی صاحب اسلام کی نمائندگی میں کہاں تک حق پر ہیں۔ اور اسلام کو سمجھنے میں کس قدر غلط اندازِ فکر رکھتے ہیں۔

"شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے اس ناجائز فتوے پر مولانا مودودی کو خط لکھا تھا کہ قرآنی احکام کی رو سے جنگ کشمیر جہاد ہے اور یہ کہ مودودی صاحب خدا تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنے اس گناہ کی معافی مانگیں ورنہ وہ بخشے نہیں جائیں گے" (جہاد کشمیر کے خلاف مولانا مودودی کا فتویٰ ص۳)

"شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ کی طرف سے جہاد کشمیر کے سلسلہ میں دو فتاوے بھی علماء اسلام کی خدمت میں پیش ہوئے۔ ہر دو فتوؤں کی تصدیق کے لئے علماء حرم۔ علماء جامعہ ازہر (مصر) شام حضرموت۔ کردستان۔ ایران کے علماء کا ایک اجلاس مدرسہ سعودیہ میں حضرت شیخ الاسلام شیخ البناء المرشد عام انجمن اخوان المسلمین کی صدارت میں ہوا۔ اور اس میں تمام علماء نے ہر دو فتاویٰ کی تصدیق فرمائی۔ یعنی جنگ کشمیر کو شرعی جہاد قرار دیا۔ اور افغانستان۔ ایران اور پاکستان پر بالخصوص اور دیگر عالم اسلام کی بالعموم اس میں شرکت لازم قرار دی اور قرار دیا کہ جو پاکستان کی اسلامی سلطنت کو نقصان پہنچائے وہ کافر ہے اور ایسا فعل حرام ہے" (نوائے وقت ۱۴ر نومبر ۱۹۴۸ء وجہاد کشمیر کے خلاف مولانا مودودی کا فتویٰ ص۴) ان سب باتوں کے باوجود "پاکستانی نیرو" فرما رہے تھے۔ کہ ہم قرآن کی پیروی کرتے ہوئے جہاد کشمیر میں انفرادی اور اجتماعی حیثیت سے حصہ نہیں لے سکتے۔

"اگر ہماری سرحد کے باہر کسی مسلمان آبادی پر ظلم ہو رہا ہو اور وہ ہم سے

مدد مانگے تو ہم صرف اسی صورت میں مدد کو جا سکتے ہیں جب کہ ظلم کرنے والی قوم کے ساتھ ہمارے (قومی حیثیت سے) معاہدانہ تعلقات نہ ہوں لیکن اگر ظالم قوم کے ساتھ ہمارا معاہدہ ہو تو ہمارا دل خواہ اپنے مظلوم بھائیوں کی مصیبت پر کتنا ہی کڑھتا ہو۔ ہم ان کی حمایت میں انفرادی یا اجتماعی طور پر کوئی جنگی کارروائی نہیں کر سکتے" (ترجمان القرآن جون ۱۹۴۸ء ص۱۲۲ عنوان جنگ کشمیر)

"آپ کا یہ استدلال بھی صحیح نہیں ہے کہ حکومتوں کے باہمی معاہدات کے باوجود ہمارے افراد اپنے ضمیر کی آواز کے مطابق سرحد پار کی کسی جنگ میں رضاکارانہ حصہ لے سکتے ہیں۔ آپ اس طرز عمل کے لئے بین الاقوامی دستور کو حجت میں پیش کرتے ہیں۔ مگر ہمارا کام دنیا کے کسی بین الاقوامی دستور کی پیروی کرنا نہیں ہے۔ بلکہ اگر ہم مسلمان ہیں تو ہمیں صرف قرآن کے قانون کی پیروی کرنی چاہئے" ترجمان القرآن جون ۱۹۴۸ء ص۱۲۲ عنوان جنگ کشمیر۔

"آپ کا یہ بیان امر واقعہ کی حد تک بالکل درست ہے کہ کشمیر کے معاملے میں حکومت ہند اور حکومت پاکستان کا کوئی معاہدہ نہیں ہوا ہے۔ بلکہ یہ معاملہ ان کے درمیان ما بہ النزاع ہے اور حکومت پاکستان انڈین یونین کے ساتھ کشمیر کے الحاق کو تسلیم کرنے سے انکار کر چکی ہے۔ لیکن اس امر واقعہ سے آپ کا یہ نتیجہ نکالنا صحیح نہیں ہے کہ ہم کشمیر میں جنگی کارروائی کرنے کے لئے آزاد ہیں" ترجمان القرآن جون ۱۹۴۸ء ص۱۲۳ عنوان جنگ کشمیر۔

اسی کو کہتے ہیں کہ پنچوں کا کہنا سر آنکھوں پر لیکن پرنالہ وہیں گرے گا۔ آپ کچھ کہتے رہیں اور آپ کے دلائل خواہ کتنے ہی وزنی کیوں نہ ہوں لیکن مودودی صاحب چونکہ دین کی تجدید فرما رہے ہیں اس لئے وہ اپنی رائے کے مقابلہ میں کسی بڑی سے بڑی شخصیت اور دلیل کو درخور اعتنا نہیں سمجھتے۔ اسی لئے تو انھوں نے فرمایا ہے کہ دین کو براہ راست قرآن وسنت سے سمجھتے ہیں اور اس میں رجال کو دخل نہیں دینے دیتے

"اس سوال کا بہت مختصر جواب میرے پاس یہ ہے کہ میں نے دین کو حال یا ماضی کے اشخاص سے سمجھنے کی بجائے ہمیشہ قرآن وسنت ہی سے سمجھنے کی کوشش کی ہے۔ اس لئے میں نے کبھی یہ معلوم کرنے کے لئے کہ خدا کا دین مجھ سے اور ہر مومن سے کیا چاہتا ہے یہ دیکھنے کی کوشش نہیں کرتا کہ فلاں اور فلاں بزرگ کیا کہتے ہیں۔ اور کیا کرتے ہیں بلکہ صرف یہ دیکھنے کی کوشش کرتا ہوں کہ قرآن کیا کہتا ہے اور رسول نے کیا کیا۔؟"

(روداد اجتماع حصہ سوم ص ۳۷)

غور فرمایئے کہ اس جواب سے جناب مودودی صاحب دو دعوے کر رہے ہیں پہلا دعویٰ یہ کہ دین کو سمجھنے کے لئے سلف صالحین کے عمل اور مسلک کو دیکھنے کی کوئی حاجت نہیں۔ اور ان کے ارشادات کو نظر انداز کر کے بھی دین کو سمجھا جا سکتا ہے۔ دوسرا دعویٰ یہ ہے کہ مودودی صاحب میں یہ صلاحیت ہے کہ دین کو براہِ راست قرآن وسنت ہی سے سمجھ لیتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں ہی وہ بنیادیں ہیں جن پر چلنے کی وجہ سے "جماعتِ اسلامی" روشِ استقامت سے دور ہو گئی ہے۔ مودودی صاحب کے ان دونوں

دعوں کی قلعی کھولنے کا یہ موقع نہیں ہے۔ مجھے صرف یہ کہنا تھا کہ جہاد کشمیر میں ان کی یہ قرآن دانی کیسی مضحکہ خیز اور عجوبۂ روزگار بن کر رہ گئی ہے۔ کاش وہ سوچتے کہ میں کیا کر رہا ہوں اور کیا کہہ رہا ہوں۔

طلبہ کے ہنگامے اور تحریکِ مودودی

کون شخص ایسا ہوگا جس کو طلبہ کے جائز اور روا مطالبات سے ہمدردی اور دلچسپی نہ ہوگی۔ طلبہ قوم وملک کا بیش بہا اور قیمتی سرمایہ ہوتے ہیں۔ انہی میں سے آئندہ چل کر قوم کے رہنما اور ممتاز افراد منصۂ شہود پر آتے ہیں۔ اور قوم وملت کی گراں بہا خدمات انجام دینے والے افراد انہی میں سے ابھر کر اونچی سطح پر آتے ہیں۔ اور ملک کی سربلندی کا باعث ہوتے ہیں لیکن اگر کوئی شخص یا تحریک ان قوم کے نونہالوں کو اپنی سیاست یا غرض کا آلۂ کار بنا کر استعمال کرتا ہے تو اُس شخص سے زیادہ بدبخت اور کون شخص ہوگا اور اُس تحریک سے بڑھ کر نا معقول تحریک اور کونسی ہوگی۔ ایسی حالت میں اُس شخص اور اس تحریک کی جتنی بھی مذمت کی جائے کم ہوگی۔ نومبر ۱۹۶۳ء میں طلبہ کے جو ہنگامے ہوئے تھے واقعات سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس میں تحریک مودودی کا ہاتھ تھا۔ اور اس طرح وہ حکومت اور عوام کو لڑا کر اپنی سیاسی اغراض حاصل کرنا چاہتی تھی، چنانچہ اس سلسلہ میں حکومت کے ایک ذمہ دار افسر جناب انور عادل صاحب کمشنر کوئٹہ ڈویژن کا بیان درج ہے۔ اور کوئی وجہ نہیں کہ اس کو غلط کہا جائے اسلئے کہ انتظامیہ کو سیاست سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ انھوں نے کہا کہ "گورنمنٹ کالج کوئٹہ کی طلبا کی ہڑتال جماعتِ اسلامی

کے بھڑکانے کا نتیجہ تھی" (روزنامہ جنگ کراچی ۲۴ ر نومبر ۱۹۶۳ء)

اس کے علاوہ بھی حکومت کے ذمہ دار اشخاص کے بیانات شائع ہوئے تھے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان ہنگاموں کے پس پردہ "صالحین" کا ہاتھ تھا اور تار وہاں سے ہی ہلائے جاتے تھے۔ چنانچہ اس کی تائید مودودی صاحب کے اخباری بیان سے بھی ہوتی ہے۔ انھوں نے فرمایا تھا کہ ہم طلبہ اور حکومت کے درمیان کوئی سمجھوتہ کرانے کو تیار نہیں۔ اگر ہاتھ نہیں تھا تو انھیں چاہئے تھا کہ وہ طلبہ کے جوش وخروش اور ہنگامہ آرائی کو ختم کرانے کی کوشش کرتے جیسا کہ بعض دوسری جماعتوں کے لیڈروں نے کیا تھا۔ لیکن مودودی صاحب اور ان کے رفقاء کی کنارہ کشی اس بات کی غماز ہے کہ ضرور دال میں کالا ہے۔ اور مودودی صاحب اور اس کی تحریک سے کچھ بعید بھی نہیں اس لئے کہ یہ تحریک اور اس کے امیر اس سے کہیں زیادہ خطرناک اور نقصان دہ حرکات پہلے بھی کر چکے ہیں۔ جن کا کچھ نمونہ آپ نے پچھلے اوراق میں پڑھ لیا ہے۔ بہرحال مودودی صاحب کا اخباری بیان یہ ہے۔

"لاہور ۸ ر نومبر امیر جماعت اسلامی مولانا ابوالاعلیٰ مودودی نے ایک بیان میں کہا ہے کہ وہ موجودہ حالات میں طلبہ اور حکام کے مابین افہام وتفہیم (گفت وشنید) کے ذریعہ سمجھوتہ کرانے کے لئے کچھ نہیں کرسکتے" (روزنامہ آغاز کراچی ۹ ر نومبر ۱۹۶۳ء)

اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ وہ اس آگ کو فرو کرنے کے حق میں نہیں تھے۔ اور چاہتے تھے کہ حکومت اور طلباء خوب الجھیں اور مریں، ماریں۔ ورنہ کوئی وجہ نہیں کہ ایک سیاسی

لیڈر ہونے کی حیثیت سے وہ اس معاملہ میں دلچسپی نہ لیتے۔ اس سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ہنگامہ آرائی سے کوئی سیاسی غرض وابستہ رکھتے تھے۔ اسی لئے وہ سمجھوتہ کرانے کے حق میں نہیں تھے۔ بہرحال جو کچھ ہوا بُرا ہوا ایسا نہ ہونا چاہئے تھا۔

غیر ملکی امداد اور تحریک مودودی

تحریک مودودی کو غیر ملکی امداد ملتی ہے۔ اس موضوع کے متعلق کافی عرصہ سے بحث چل رہی ہے اور اہل دانش و بینش کا ایک طبقہ کافی عرصہ سے سنجیدگی کے ساتھ اس کا مطالعہ کر رہا ہے۔ ابھی حال ہی میں اس تحریک کو خلاف قانون قرار دئے جانے کی وجوہات میں سے ایک اہم وجہ یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ تحریک مودودی کو غیر ملکی امداد مل رہی تھی۔ چنانچہ گورنمنٹ نے جو پریس نوٹ جاری کیا ہے اس میں صاف لکھا ہے کہ "حکومت کے پاس اس امر کا ٹھوس ثبوت موجود ہے کہ وہ ایسے غیر ملکی ذرائع سے جو پاکستان کے مخالف ہیں بھاری مالی امداد بھی حاصل کر رہی ہے" (روزنامہ کوہستان ۷ ر جنوری ۱۹۶۴ء)

"ملتان ۳ ر نومبر مولانا غلام غوث ہزاروی ایم۔پی۔اے نے ایک بیان میں کہا ہے کہ حضرت مولانا مفتی محمود صاحب نائب امیر جمعیۃ علماء اسلام رکن قومی اسمبلی نے جماعت اسلامی اور اس کی تخریبی کارروائیوں کے خلاف بیان دیا تھا جس میں انھوں نے مودودی صاحب کے غیر ملکی ایجنٹ ہونے کے سلسلہ میں بھی رائے ظاہر کی تھی کہ ناظم اعلیٰ جمیعۃ علماء اسلام اور اخبار ترجمان اسلام لاہور نے اس قسم کے شبہات اور الزامات کا عرصہ سے اظہار کیا ہوا تھا۔ جس سے اپنے اور بیگانے پوری طرح

مطمئن نہیں تھے۔ مگراب حکومت کے ایک اہم فرد خان حبیب اللہ خاں وزیر داخلہ نے ان تمام الزامات کی توثیق کر دی “ (روزنامہ شہباز ۳۰ ر نومبر ۱۹۶۳ء) پشاور ڈویژن کے حاجی فضل محمود، ایم عبدالغنی خاں، خواجہ غلام محبوب، بابو پیر محمد اور زاہد اللہ صاحبان نے آج ایک مشترکہ بیان میں کہا ہے کہ وزیر امور کشمیر و داخلہ خان حبیب اللہ خان کا یہ بیان کہ مولانا مودودی نے غیر ملکی عناصر کے اشارے پر موجودہ خارجہ پالیسی کے خلاف مہم چلا رکھی ہے۔ بالکل حقائق پر مبنی ہے (بانگ حرم پشاور ۱۳ ر اکتوبر ۱۹۶۳ء)

” لاہور ۶ ر جولائی (اپ پ) جماعت اسلامی کو بعض دشمن ممالک سے امداد بھی ملتی ہے۔ صوبائی حکومت نے اپنی نوٹیفکیشن میں لکھا ہے کہ جماعت اسلامی کی ایک انتہائی ناپسند حرکت یہ ہے کہ یہ جماعت نہ صرف غیر ملکی عناصر کے اشاروں پر کام کرتی ہے۔ بلکہ حکومت کے پاس اس امر کا ٹھوس ثبوت موجود ہے کہ اسے بعض غیر ملکی ذرائع سے بھاری مالی امداد بھی مل رہی ہے اور یہ غیر ملکی ذرائع پاکستان کے دشمن ہیں۔ اس سلسلہ میں تحقیقات ابھی جاری ہیں ۔ اور موزوں وقت پر مناسب کارروائی کی جائے گی (روزنامہ جنگ کراچی ۸ ر جنوری ۱۹۶۴ء) چونکہ حکومت کے وسائل و ذرائع معلومات وسیع تر ہوتے ہیں۔ اس لئے یہ الزام یقیناً مبنی بر حقیقت ہوگا اور پھر یہ الزام ۱۹۴۸ء سے لے کر اب تک مسلسل دہرایا جا رہا ہے۔ اور ” جماعت اسلامی “ کی طرف سے اس کی تردید کسی خاص معقول ذریعہ سے نہیں کی گئی اس لئے اس میں ضرور حقیقت ہوگی اور حکومت کا جملہ معلومات کو منظر عام پر نہ لانا شاید مفاد عامہ کے خلاف ہونے کی وجہ سے ہو، یا کوئی

اور بات ہو۔ لیاقت علی خاں مرحوم کے زمانہ میں بھی جب مودودی صاحب اور ان کے دو رفقار کو نظر بند کیا گیا تھا تو جہاں اور الزامات لگائے گئے تھے ان میں سے ایک الزام یہ بھی تھا کہ ” انھوں نے دشمن کی جاسوسی اور غیر ملکی طاقتوں سے ساز باز کر رکھی ہے “ اور اس وقت جو بیان دیا گیا تھا اس میں کہا گیا تھا کہ سیفٹی ایکٹ میں صرف چھ افراد نظر بند ہیں جن میں سے تین کمیونسٹ اور تین جماعت اسلامی کے افراد اس کے علاوہ ۱۹۵۵ء میں مرتضیٰ احمد میکش اور افتخار احمد قدوسی کے درمیان اسی غیر ملکی امداد کے سلسلے میں ایک استغاثہ چلا تھا۔ جو جماعت اسلامی کے افتخار احمد قدوسی کے فرار اختیار کرنے کی بناء پہ خارج ہو گیا تھا۔ اس کی تفصیل اخبارات میں اس طرح آئی تھی

” (اسٹاف رپورٹر) لاہور ۳۰ ر اگست آج شیخ اکرام اللہ قریشی مجسٹریٹ نے جماعت اسلامی کے گشتی شفاخانے کے ناظم افتخار احمد قدوسی کا مقدمہ ازالۂ حیثیت عرفی بسبب غیر حاضری خارج کر دیا ۔ اور حضرت مولینا احمد علی۔ مرتضیٰ احمد خاں میکش اور حاجی برکت علی ملزمین کو بری قرار دینے کا حکم سنایا۔ افتخار احمد قدوسی نے یہ استغاثہ مولینا احمد علی صاحب امیر انجمن خدام الدین و خطیب مسجد شیرانوالہ کے ایک مضمون کی بناء پر دائر کیا تھا جو ” نوائے پاکستان “ میں شائع ہوا تھا جس میں لکھا گیا تھا کہ خواجہ نذیر احمد نے عدالت تحقیقات فسادات کے سامنے بیان دیتے ہوئے کہا تھا کہ مودودی صاحب اور جماعت اسلامی کو امریکہ سے مدد مل رہی ہے ۔ عدالت نے سرسری سماعت کے بعد ملزمین کے نام حاضر عدالت ہونے کے سمن جاری کر دئے تھے۔ اور ان سب سے ضمانتیں لے لی

سخفین۔ اور ۱۷ اگست کی تاریخ گواہانِ استغاثہ کے بیانات قلم بند کرنے کے لئے مقرر ہوئی تھی۔ مستغیث نے ۱۷ اگست سے پانچ دن پہلے ۱۲ اگست کو عدالت میں اس مضمون کی درخواست پیش کی کہ از بسکہ جماعتِ اسلامی کو گزشتہ بقر عید کے موقع پر قربانی کی کھالیں بہ تعداد کثیر مل گئی ہیں۔ اس لئے وہ مقدمہ کو جاری رکھنا نہیں چاہتے اور مقدمہ واپس لینے کا خواہاں ہے۔ ۱۷ اگست کو عدالت نے فریق استغاثہ کو بتایا کہ اگر وہ مقدمہ واپس لینے کا خواہاں ہے تو عدالت فیصلہ لکھے گی۔ اس پر مستغیث کے وکیل نے بحث کی لئے تاریخ مانگی۔ اور عدالت نے ۳۰ اگست کی تاریخ مقرر کر دی۔ آج عدالت میں مقدمہ پیش ہوا۔ تو مستغیث اور اس کا وکیل دونوں غیر حاضر تھے۔ بنا بریں مجسٹریٹ نے مقدمہ خارج کر دیا اور ملزمان کو باعزت بری کرنے کا حکم سنایا۔ اس مقدمہ میں یہ بات خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ ۶ جولائی کو جب افتخار احمد قدوسی جماعتِ اسلامی کے بعض دیگر ارکان کے ہمراہ استغاثہ دائر کرنے کے لئے ایڈیشنل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے سامنے پیش ہوئے تو انھوں نے مجسٹریٹ مذکور سے درخواست کی کہ ہمارا مقدمہ سماعت کے لئے کسی عیسائی مجسٹریٹ کے سامنے بھیجا جائے۔ آقائے مرتضیٰ احمد خاں نے اس بے بنیاد استغاثہ کی لغویت کو بھانپتے ہوئے پہلے ہی دن عدالت سے درخواست کی تھی کہ آپ ملزمین کے بجائے مستغیث سے ضمانت لیں تاکہ وہ مقدمہ چھوڑ کر بھاگ نہ جائے۔ آج آپ میکش کی یہ پیش گوئی حرف بحرف پوری ہو گئی۔" (روزنامہ نوائے پاکستان لاہور یکم ستمبر ۱۹۵۵ء)

آپ نے دیکھ لیا کہ جماعت اسلامی والے بالخصوص مودودی صاحب عدالت میں حقائق کا سامنا کرنے سے کس قدر گھبرا گئے۔ اور دوسری بات یہ کہ عیسائی مجسٹریٹ کے پاس ہمارا مقدمہ بھیجا جائے۔ سچ ہے کند ہم جنس باہم جنس پرواز۔ کہاں گئی وہ تحکیم بالطاغوت والی بات۔ اس کے علاوہ بھی بہت سے حقائق ایسے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ "کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے" مودودی صاحب نے ۱۸ دسمبر ۱۹۵۵ء کو لاہور کے ایک جلسۂ عام میں تقریر کی تھی۔ اس تقریر کو پہلے ہی سے جماعتِ اسلامی کے حلقوں میں خاص اہمیت دی جا رہی تھی اور ان کے اخبارات میں اس کے اعلانات نمایاں حیثیت سے شائع ہو رہے تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب عام الفاظ میں پاکستان امریکی بلاک میں شامل ہو رہا تھا۔ اس پس منظر میں دیکھئے کہ مودودی صاحب نے اپنی تقریر میں کیا فرمایا۔ انھوں نے ایک طرف تو روس کو سرزنش کی کہ وہ پاکستان کے خلاف افغانستان کی پیٹھ نہ ٹھونکے اور اس کے بعد فرمایا۔ "اس سلسلے میں دوسری بات یہ ہے کہ خود اینگلو امریکی بلاک کو بھی سوچنا چاہئے کہ اگر وہ صرف مسلمانوں حکمرانوں سے معاملہ کرنا چاہتا ہے اور اس کو مسلمان قوم کے ساتھ کوئی معاملہ نہیں کرنا تو الگ بات ہے لیکن اگر اس کی خواہش یہ ہے کہ مسلمان ممالک کے عوام بھی اس کے ساتھ تعاون کریں تو اس معاملہ میں ہمیں وضاحت کے ساتھ یہ بتا دینا چاہئے کہ مسلمان ملکوں کے ساتھ آپ کی جو پالیسی اب تک چلی آ رہی ہے۔ وہ ہرگز ایسی نہیں ہے کہ پاکستان اور دوسرے ممالک کے عوام کا دلی تعاون آپ کو حاصل ہو سکے" (اخبار تسنیم ۲۰ دسمبر ۱۹۵۵ء)

اس سے پہلے انھوں نے اپنی کراچی کی ایک تقریر میں اسی بات کو ان الفاظ میں بیان کیا تھا۔" اگر یہ بلاک فی الواقعہ یہ چاہتا ہے کہ کمیونزم کی روک تھام کے لئے اُسے مسلم عوام کا دلی تعاون حاصل ہو تو اسے اپنی بنیادی پالیسی میں بنیادی تغیر کرنا پڑے گا۔ اسے یہ فیصلہ کرنا ہوگا کہ اسے مسلم ممالک کے حکمرانوں سے ساز باز کرنا ہے یا مسلم ممالک کے عوام کا تعاون حاصل کرنا ہے۔ جو عوام پر سطحی اثر بھی نہیں رکھتے۔ یا عوام کے تعاون کی ضرورت ہے جو طاقت کا اصل سرچشمہ ہوتے ہیں۔ پچھلی جنگِ عظیم نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ حکومت خواہ کتنی ہی مضبوط کیوں نہ ہو پوری طاقت نہیں لگا سکتی۔ جب تک ملک کے باشندے اس جنگ کو اپنی جنگ نہ سمجھیں۔ بلکہ اگر معاملہ برعکس ہوتا ہے تو ملک کے باشندے جابر حکمرانوں کے چنگل سے نکلنے کے لئے اس موقعہ سے پورا فائدہ اٹھاتے ہیں (تسنیم ۱۶ دسمبر ۱۹۵۵ء)۔

آپ نے غور فرمایا کہ مودودی صاحب امریکی حکومت سے کیا کہہ رہے تھے وہ یہ کہہ رہے تھے کہ ۱۔ تم جو پاکستان کی حکومت سے براہ راست "ساز باز" کر رہے ہو تو تمھیں اس میں سخت نقصان اور خطرہ ہے اس لئے کہ یہاں کے عوام ان حکمرانوں کے ساتھ نہیں ہیں۔ ۲۔ اگر کل کو جنگ چھڑ گئی تو یہ عوام حکومت کا ساتھ نہیں دیں گے بلکہ ان کے چنگل سے نکلنے کے لئے موقع سے فائدہ اٹھائیں گے اور تم مصیبت میں پھنس جاؤ گے۔ ۳۔ اگر تمھیں فی الواقع روس کی روک تھام کرنی ہے تو پاکستان کے حکمرانوں کی جگہ یہاں کے عوام سے معاملہ کرو جو طاقت کا

اصل سرچشمہ ہیں۔ ۴۔ اور یہ ظاہر ہے کہ عوام سے معاملہ ان کے نمائندوں کی وساطت سے ہی کیا جائے گا۔ اس لئے تم یہاں کی حکومت کو چھوڑ کر ہم سے معاملہ کرو۔ اس کے بعد کیا ہوا یہ امریکہ جانے یا مودودی صاحب! لیکن دنیا نے اتنا ضرور دیکھا کہ مودودی صاحب کی یہ مسلسل کوشش رہی کہ مشرقِ وسطیٰ کے مسلم ممالک میں مغربی امپیریلزم کا تسلط قائم رہے۔ شاہ سعود کے ساتھ ان کے روابط اور رابطہ اسلامی جیسی تنظیم کی تشکیل (جس کے متعلق مودودی صاحب کا اپنا بیان یہ ہے کہ وہ صرف "ناصریت" کی ضد میں قائم کی گئی ہے) اس حقیقت کی کھلی شہادت ہے (از جماعت اسلامی خود اپنے آئینہ میں ص ۳۵) یہ اور اس قسم کے دوسرے تلخ حقائق ہیں جن کی وجہ سے ایک خالی الذہن شخص مجبور ہو جاتا ہے کہ وہ اس "جماعت" کو غیر ملکی ایجنٹ کی حیثیت سے باور کرے۔ پاکستان میں مختلف جماعتوں کے سیاسی طریق کار کی وجہ سے کافی اختلافات چلے آ رہے ہیں لیکن اس قسم کا الزام شاید "جماعتِ اسلامی" کی خصوصیات میں سے ہو۔ اور اس پر طرہ یہ ہے کہ اس "جماعت" کا دعوےٰ ہے کہ ہم توحید پھیلانے کے لئے کوشش کر رہے ہیں اور ہمارا مقصد اسلام کی اشاعت و ترویج ہے۔ اور توحید نہ پھیلنے سے ہولناک نتائج برآمد ہوں گے۔

" ہماری یہ دعوت جس غرض کے لئے اٹھی ہے وہ یہ ہے کہ دنیا میں اور آغاز کار کے طور پر اس ملک میں ایک ایسی سوسائٹی منظم کی جائے جو اسلام کے اصلی اصولوں پر شعور و اخلاص کے ساتھ خود عامل ہو۔ دنیا کے سامنے اپنے قول و عمل سے اس

کی صحیح نمائندگی کرے اور بالآخر جہاں جہاں بھی اس کی طاقت جڑ پکڑ جائے وہاں
کے افکار، اخلاق، تمدن، معاشرت، سیاست اور معیشت کے نظام کو موجودہ دہریت
و مادہ پرستی کی بنیادوں سے اکھاڑ کر سچی خدا پرستی یعنی توحید کی بنیاد پر قائم کر دے
اس جماعت کو یہ یقین ہے کہ موجودہ تہذیب اور اس کا پورا نظام زندگی جن اصولوں
پر قائم ہے۔ وہ قطعاً فاسد اصول ہیں۔ اور اگر دنیا کا انتظام انہی اصولوں پر
چلتا رہا تو وہ بڑے ہولناک نتائج سے دوچار ہوگی" ترجمان القرآن ستمبر ۱۹۴۸ء

دیکھ لیا آپ نے جماعت کا مقصد، اور عمل گزر چکا ہے۔ دعوےٰ یہ ہے کہ جو اسلام
کے اصلی اصولوں کو اپنے قول وعمل سے اس کی صحیح نمائندگی کرے۔ میرا خیال ہے کہ
اگر اسلام کے اصلی اصولوں کے پرچار کے لئے مودودی صاحب اور ان کے صالحین
کو روس بھیج دیا جائے تو کیسا رہے گا؟ وہاں دہریت و مادہ پرستی کی بنیادوں
کو اکھاڑ کر سچی خدا پرستی یعنی توحید کی بنیادیں مضبوط کریں گے۔ اس لئے کہ اگر دنیا
کا انتظام موجودہ اصولوں پر چلتا رہا تو بڑے ہولناک نتائج برآمد ہوں گے لیکن
شائد ایسا نہ ہو سکے اس لئے کہ آپ نے آغازِ کار کے طور پر اس ملک میں ایک سوسائٹی
منظم کرنے کا ارادہ کیا ہے۔ اور وہ سوسائٹی اسلام کے اصلی اصولوں پر شعور واخلاص
کے ساتھ عمل کرنے والی ہوگی اور وہ "شعور واخلاص" کے ساتھ "ساز باز" سے
متصف ہوگی۔ یہ بھی شاید اسلامی زندگی کے اجزاء میں سے کوئی جز ہو۔ جو عوام کی سمجھ
سے بالاتر ہو۔ اس لئے کہ آپ کا جو کام بھی ہوتا ہے اس میں کسی نہ کسی طرح اسلام کی

نمائندگی ضرور ہوتی ہے۔

پاکستان کی خارجہ پالیسی اور مودودی صاحب

ایوب گورنمنٹ نے جو خارجہ پالیسی میں تبدیلی کی ہے
اس کی تائید و تحسین ہر مکتبہ خیال کے لیڈروں نے کی
ہے اور پاکستان کے کونے کونے سے حکومت کی اس
پالیسی کو سراہا جا رہا ہے۔ جہاں ایوب گورنمنٹ کے اور بہت سے نمایاں کارنامے ہیں ان
میں سے ایک، یہ بھی شاہکار کی حیثیت رکھتا ہے اور اس کی مخالفت گویا پاکستان سے
غداری ہے۔ لیکن کیا کیا جائے مودودی صاحب نے تو بہرحال اپنے ولی النعمت کا حق
نمک ادا کرنا ہے۔ اُن کے اس طرزِ عمل سے اگر قوم کا نقصان ہوتا ہے تو بلا سے ہوتا
رہے۔ وہ کوئی دوسروں کی طرح تھوڑا ہیں۔ جو قوم کی آواز کے ساتھ اپنی آواز ملائیں
اور پھر کس مرحلہ پر انھوں نے قوم کی آواز پر لبیک کہا ہے جو وہ اب کہیں گے۔ ان سے
وفا کی امید رکھنا خود فریبی ہے۔ مودودی صاحب اور ان کی تحریک شاید زندگی
کے کسی موڑ پر ہمارے کام آئے گی۔؟ بہرکیف حاجی مودودی صاحب خارجہ پالیسی
کے بارے میں جو نظریہ رکھتے ہیں پیش خدمت ہے۔ ملاحظہ فرمائیے۔

"خارجہ پالیسی کے بارے میں انھوں نے کہا کہ پاکستان کو ایک ملک کی آغوش
سے نکل کر دوسرے کی آغوش میں نہیں جانا چاہئے۔ ایک اخباری نمائندہ نے چین سے
پاکستان کی دوستی کے متعلق اور دوسرے نے غیر جانبدار پالیسی کے متعلق مولانا سے
سوال کیا تو مودودی صاحب نے دونوں سوالوں کے جواب دینے سے انکار کیا جب

اخباری نمائندوں نے اپنے سوالات پر زور دیا تو مولانا ناراض ہو گئے۔ اور اچانک پریس کانفرنس ختم کر کے برہمی کے ساتھ اٹھ کر چلے گئے"۔ (روزنامہ آغاز کراچی ۳۱ اکتوبر ۶۳ء)

اب آپ ہی "مولانا" صاحب سے دریافت کیجئے کہ صاحب آپ نے امریکی پروپیگنڈے کے لئے کانفرنس بلائی تھی؟۔ اور پھر صحیح سوالات سے برہمی کیوں؟ یہاں تک کہ ان سوالات کی وجہ سے "ناراض" ہو گئے۔ اصل میں معلوم ایسا ہوتا ہے کہ مودودی صاحب "آغوش" کی باتیں فرما رہے تھے۔ اخباری نمائندوں نے خواہ مخواہ مداخلت کر کے چین اور غیر جانبداری کی باتیں شروع کر دیں۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں اگر آپ ناراض نہ ہوتے تو کیا کرتے۔ یہ تو سوال کرنے والے کو سوچنا چاہیئے کہ سوال کرنے کا موقعہ بھی ہے یا نہیں۔ اور پھر "نازک طبع" کس موڈ میں ہیں۔ یہ تو اچھا ہوا کہ آپ پریس کانفرنس ختم کر کے برہمی کے ساتھ اٹھ کر چلے گئے اور اگر اس برہمی کے عالم میں کوئی شائستہ قسم کی گالی سنا دی جاتی تو پھر آپ کیا کر لیتے۔ اور یہ مودودی صاحب کی سب سے بڑی کمزوری ہے کہ جب آپ کوئی خلاف طبع بات دیکھتے یا سنتے ہیں تو فوراً "قلم و دوات" منگوا کر خبر لینا شروع کر دیتے ہیں۔ خیر۔ آپ نے مودودی صاحب کی پریس کانفرنس کی کارروائی پڑھ لی۔ اب آپ خود ہی اندازہ لگائیں کہ مابعد کو ماقبل سے کس قدر مناسبت ہے۔ خارجہ پالیسی کے بارے میں روزنامہ جنگ نے بہت اچھا اداریہ لکھا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ وہ آپ پڑھیں۔ اس کے بعد خارجہ پالیسی کے دوسرے گوشوں پر انشاءاللہ گفتگو ہو گی۔ ملاحظہ فرمایئے:۔

"وزیر داخلہ خان حبیب اللہ خاں نے پچھلے دنوں جماعت اسلامی اور اس کے امیر پر چند سنگین الزامات عائد کئے تھے۔ ان الزامات کے سلسلہ میں جماعت کے لیڈروں اور سرکاری پارٹی کے ارکان کے درمیان کئی بیانات کا تبادلہ ہوا جن کو قوم بڑی دلچسپی کے ساتھ دیکھتی رہی۔ ہمیں یہاں ان اعتراضات اور اُن کے جوابات سے بحث نہیں ہے۔ لیکن اس مباحثہ میں جو چیز اس ملک اور اس قوم کے مستقبل سے گہرا تعلق رکھتی ہے۔ وہ پاکستان کی نئی خارجہ پالیسی ہے جسے سارے ملک میں سراہا جا رہا ہے۔ خارجہ پالیسی کے سلسلے میں بھی جماعت اسلامی کے موقف پر اعتراض کیا گیا تھا جس کے جواب اور وضاحت کے ہم منتظر تھے۔ جماعت کی طرف سے اس معاملہ میں جو وضاحت شائع کی گئی اس پر کڑی نکتہ چینی کی گئی۔ توقع یہ تھی کہ جماعت کے ذمہ داران اس نکتہ چینی کا جواب دیں گے۔ اور اس باب میں جو مضبوط اعتراضات کئے گئے ہیں انہیں دور کریں گے لیکن کافی انتظار کے باوجود یہ وضاحت ہماری نظر سے نہیں گذری صدر ایوب کی دوسری کسی پالیسی سے کوئی کیسا ہی اختلاف کیوں نہ کرے۔ مگر اس ملک کا کوئی معقولیت پسند، سنجیدگی نواز اور باخبر محبِ وطن اس کارنامہ کی اہمیت اور تاریخی نوعیت سے انکار نہیں کر سکتا۔ جو صدر ایوب نے اس ملک کی پالیسی کو صحیح سمت میں لانے کے سلسلہ میں انجام دیا ہے۔ خارجہ پالیسی کے متعلق جماعت نے جو تجویز پاس کی ہے۔ وہ مبہم بھی ہے اور ناکافی بھی۔ پاکستان کی موجودہ خارجہ پالیسی کی صرف کھل کر اور غیر مبہم تائید ہی کی جا سکتی ہے۔ اس باب میں الفاظ چبانے کی کوشش

نہیں کی جا سکتی۔ جماعت کا یہ کہنا کہ پاکستان کبھی کسی طاقت کی گود میں چلا جاتا ہے
کبھی کسی کی۔ اس کارنامہ کی تخفیف کے مترادف ہے۔ جو صدر پاکستان نے اس ملک
کی آزاد، غیر جانبدارانہ اور بیباک پالیسی اختیار کر کے انجام دیا ہے۔ پاکستان اب
تک صرف ایک طاقت کی گود میں تھا لیکن اس گود سے اچھل کر وہ کسی اور کی گود میں
نہیں گیا۔ اس لئے اس وقت کسی کا یہ کہنا کہ پاکستان سرپرست کی تلاش میں رہتا ہے
واقعات کے ساتھ ظلم اور حقائق کے ساتھ ناانصافی ہے۔ آج اس ملک کی پالیسی صحیح معنی
میں آزاد اور قومی مفادات کے تحت چل رہی ہے۔ اس پالیسی پر بالواسطہ یا بلاواسطہ
اعتراض اس ملک کے بہترین مفادوں کو نقصان پہونچانے کے مترادف ہے۔ پاکستان
کی آزادی اور خود مختاری کے حامی اس وقت صرف ایک ہی بات کہہ سکتے ہیں۔ اور
وہ یہ ہے کہ اس ملک کو مشرق کے بدترین سامراج ہندوستان کے ارادوں کے
پیش نظر چین سے بہترین، گہرے اور دوستانہ تعلقات پیدا کرنے چاہئیں۔ ملک
کے ہر ذی ہوش شخص نے کھل کر چین سے قریبی تعلقات کے قیام پر زور دیا ہے۔ مگر
جماعت کے بیان میں چین کی دوستی اور بھارت کے ارادوں اور امریکہ کی بے وفائی
کے ذکر کے بجائے اگر کچھ ہے۔ تو موجودہ پالیسی سے عدم اطمینان کا اظہار ہے۔ بلکہ اب
سے پہلے جماعت کے ترجمانوں نے کمیونسٹ ملکوں سے نظریاتی اختلاف کا ذکر کر کے
ان سے دوستی نہ بڑھانے کا مشورہ دیا تھا۔ حالانکہ امریکہ اور برطانیہ سے بھی پاکستان
کا نظریاتی اتحاد نہیں ہے۔ اس مشورہ سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ جماعت اس

پالیسی کی حامی نہیں ہے۔ جو ہندوستان کے خطرہ کے پیش نظر واحد معقولیت پسندانہ
پالیسی ہے۔ یہ بات تو ہم سب جانتے ہیں کہ جماعت کے زعماء کو موجودہ حکومت سے اختلاف
ہے لیکن حکومت سے اس اختلاف کا مطلب لازماً یہ نہ ہونا چاہئے کہ صدر ایوب نے
پاکستان کی بقا اور تحفظ کے لئے جو خارجہ پالیسی بنائی ہے اس کی بھی مخالفت کی جائے
اور اس طرح اس ملک کے مستقبل اور آزادی کو خطرہ میں ڈال دیا جائے۔ ہم جماعتِ
اسلامی اور حزب اختلاف کی دوسری پارٹیوں کو مشورہ دیں گے کہ وہ خارجہ پالیسی کے
سلسلہ میں قوم کے حقیقی مفادات کو ہرگز نظر انداز نہ کریں اور کھل کر یہ اعلان کریں
کہ صدر نے ملک کی آزادی، تحفظ اور دفاع کی خاطر جو خارجہ پالیسی وضع کی ہے۔ وہ
اس قوم کے ہر فرد کے دل کی آواز ہے اور اس باب میں کسی کو کوئی اختلاف نہیں ہے
خارجہ پالیسی کے معاملہ میں سیاسی اور گروہی اختلافات کو سامنے نہ رکھنا چاہئے
صرف قومی مفادات کو سامنے رکھنا چاہئے۔ پاکستان کا مستقبل اور آزادی خطرہ
میں ہے۔ اس وقت گروہی مفادات کی وجہ سے خارجہ پالیسی پر عدم اطمینان کا اظہار
قومی جرم ہوگا۔ جس کا ارتکاب کسی پارٹی کو نہ کرنا چاہئے۔ ہمیں توقع ہے کہ امیر
جماعت اسلامی قومی تاریخ کے نازک مرحلہ پر معقولیت پسندی سے کام لیں گے۔ اور
خارجہ پالیسی کے باب میں صدر ایوب کے تاریخی کارنامہ کی تخفیف کر کے مستقبل
کے مورخ کے سامنے جوابدہ بننے کی غلطی ہرگز نہیں کریں گے۔ (روزنامہ جنگ کراچی
۳ر نومبر ۱۹۶۳ء) اسی موضوع سے متعلق جناب زیڈ۔ اے سلیری صاحب نے

بھی تحریر فرمایا ہے۔ مزید وضاحت کے لئے وہ بھی درج ذیل ہے۔ غور سے مطالعہ فرمائیں۔

"مولانا مودودی نے خارجی معاملات میں اپنے مسلک کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا کہ پاکستان کو دنیا کے سب ملکوں سے دوستی کا موقف اختیار کرنا چاہئے۔ اور ایک ملک کی دوستی کو دوسرے ملک کی دشمنی کی قیمت ادا کر کے نہ خریدنا چاہئے اور ہمارے لئے یہ بھی مستحسن نہیں کہ ہم ایک طاقت کی گود سے اچھل کر دوسری طاقت کی گود میں اچک بیٹھیں۔ انھوں نے اس مسلک کو اتنا جامع اور اصولی رنگ دیا ہے کہ وہ اس کو کسی مزید توضیح کا محتاج نہیں سمجھتے ..... اس بیان کا حاصل یہ ہے کہ وہ اور جماعت اسلامی چین سے تعلقات بڑھانے کی مخالف ہے۔ میں اس بات کا اعادہ کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ جماعتِ اسلامی اور اس کے سربراہ کی اصلی کمزوری ہی یہ ہے کہ وہ عملی سیاست کے اہل نہیں۔ ان کے نظریئے اور بے عمل طرز فکر عملی دنیا کے تقاضوں کے فہم و ادراک کی صلاحیت سے عاری ہے" (نوائے وقت ۳۱ر اکتوبر ۱۹۶۳ء)

"مجھے یقین ہے کہ جو لوگ علم اور مواقع نصیب ہونے کے باوجود اور برصغیر میں مسلمانوں کے خطرناک سیاسی بحران کا شعور رکھنے کا دعویٰ کرنے کے بعد تحریک پاکستان میں شامل نہیں ہوئے۔ وہ موجودہ دور کے ان تقاضوں کی نشاندہی کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ جن کی تسکین آج اسلام کی تعلیم کو سب سے بڑا چیلنج ہے۔ مجھ پر اس امر کا بھی پورا انشراح ہے کہ مولانا مودودی اپنے جذب کشش کے باوجود نہ زمانے کی روح کو سمجھتے ہیں۔ اور نہ سیاست کے اہل ہیں

ان کا یکسر نظری طرز فکر و مطمح نگاہ عملی دنیا کے مسائل کے فہم سے عاجز ہے"۔

(نوائے وقت ۲۶ر اکتوبر ۱۹۶۳ء)

مودودی صاحب کی رائے اور جمہور اہل پاکستان کی رائے میں جو فرق اور بُعد ہے۔ وہ متذکرہ بالا اقتباسات کے ذریعہ واضح ہو گیا اور ہر پاکستانی کو مودودی صاحب کی رائے دیکھ کر اندازہ لگا لینا چاہئے کہ وہ قوم اور ملک کو کس گڑھے میں پھینکنا چاہتے ہیں۔ پاکستان کے جمہور تو یہ کہتے ہیں کہ صدر ایوب نے ملک کی آزادی اور تحفظ و دفاع کی خاطر جو خارجہ پالیسی وضع کی ہے۔ وہ اس قوم کے ہر فرد کے دل کی آواز ہے اور اس باب میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ لیکن جناب مودودی صاحب اسی سوال پر برہم ہو کر پریس کانفرنس ہی ختم کر دیتے ہیں۔ اور اس اہم موضوع پر کوئی جچا تلا بیان دینے کو تیار نہیں ہوتے۔ آخر ایسا کیوں ہے؟ اور پھر قوم سے امید رکھتے ہیں کہ وہ اس کا ساتھ دے گی ع این خیال است و محال است جنوں۔ شاید پشتیبان مضبوط ہونے کی وجہ سے اپنے صالحین کو فرمایا جا رہا ہے کہ آگے بڑھو اور تمام اختیارات اپنے ہاتھ میں لے لو۔ یا یہ کہ ہم یہ کھیل چلنے نہیں دیں گے۔ الفاظ پر غور کیجئے:۔

"اور جب اسلام اس طرح اپنے آدمیوں کو تیار کر لیتا ہے تب وہ ان سے کہتا ہے کہ ہاں اب تم روئے زمین پر خدا کے سب سے زیادہ صالح بندے ہو۔ لہٰذا آگے بڑھو۔ لڑ کر خدا کے باغیوں کو حکومت سے بے دخل کر دو اور خلافت کے اختیارات

اپنے ہاتھ میں لے لو"۔ حقیقتِ جہاد ص۳۵

" بہرحال یہ فریب اور یہ مسخرہ پن اب ختم ہونا چاہئے۔ جو آج کل لوگوں نے اختیار کر رکھا ہے۔ کہ اسلام پسند بھی نہیں ہے۔ اس کی پیروی پر راضی بھی نہیں ہیں۔ خیال اور عمل سے اسے چھوڑ کر دوسرے طریقے اختیار بھی کر چکے ہیں۔ مگر اصرار ہے کہ ہم مسلمان ہیں۔ اور صرف مسلمان کہلائے جانے پر ہی مصر نہیں ہیں بلکہ اسلام کے علمبردار اور اس کے مفتی بھی بنے پھرتے ہیں۔ یہ کھیل بہت دنوں کھیلا جا چکا ہے اب ہم اُسے چلنے نہیں دیں گے"۔

(ترجمان القرآن جولائی ۱۹۴۸ء)

یہ اندازِ تحریر اور طرزِ ادا صاف بتا رہا ہے کہ ہم حکومت پر ہر طرح اور ہر طریقہ سے قبضہ کریں گے۔ اور خلافتِ ارضی کے ہم حقدار ہیں۔ ہمارے علاوہ کوئی فرد بشر مفتی اور اسلام کا علمبردار نہیں ہو سکتا۔ یہ دوسری بات ہے کہ دنیا ان کے مفتی اور اسلام کے علمبردار ہونے پر ایمان نہ لائے۔ بہرحال مودودی صاحب کا دعویٰ یہ ضرور ہے۔ "کہ آگے بڑھو لڑ کر خدا کے باغیوں کو حکومت سے بیدخل کر دو اور خلافت کے اختیارات اپنے ہاتھ میں لے لو"۔ خلافت کے امتیازات ہاتھ میں لے کر آپ ان کو کیسے خلقِ خدا پر استعمال کریں گے؟۔ اس کی بھی تھوڑی سی تشریح مودودی صاحب کی زبان سے سنئے۔

" جس علاقے میں بھی اسلامی انقلاب رونما ہو وہاں کی مسلمان آبادی کو نوٹس دے دیا جائے کہ جو لوگ اسلام سے اعتقاداً اور عملاً منحرف ہو چکے ہیں اور منحرف ہی رہنا چاہتے ہیں۔ وہ تاریخ اعلان سے ایک سال کے اندر اندر اپنے غیر مسلم ہونے کا باقاعدہ اظہار

کر کے ہمارے نظامِ اجتماعی سے باہر نکل جائیں۔ اس مدت کے بعد ان سب لوگوں کو جو مسلمانوں کی نسل سے پیدا ہوئے ہیں مسلمان سمجھا جائے گا۔ تمام قوانین اسلامی ان پر نافذ کئے جائیں گے۔ فرائض و واجبات دینی کے التزام پر انھیں مجبور کیا جائے گا۔ اور پھر جو کوئی دائرہ اسلام سے باہر قدم رکھے گا۔ اسے قتل کر دیا جائے گا...... اس اعلان کے بعد انتہائی کوشش کیجائے کہ جس قدر مسلمان زادوں اور مسلمان زادیوں کو کفر کی گود میں جانے سے بچایا جا سکتا ہے۔ بچا لیا جائے۔ پھر جو کسی طرح نہ بچائے جا سکیں۔ انھیں دل پر پتھر رکھ کر ہمیشہ کے لئے اپنی سوسائٹی سے کاٹ پھینکا جائے۔ اور اس عملِ تطہیر کے بعد اسلامی سوسائٹی کی نئی زندگی کا آغاز صرف ایسے مسلمانوں سے کیا جائے جو اسلام پر راضی ہوں"

رسالہ مرتد کی سزا ص۷۵

یہ ہے خاکہ " اسلامی انقلاب" کا جس کی تگ و دو میں مودودی صاحب اور اس کے صالحین لگے ہوئے ہیں۔ اور اس کے حصول کے لئے۔ مذہبی، سیاسی و دیگر ذرائع کام میں لائے جا رہے ہیں۔ آپ غور فرمائیں کہ اس طریقہ حکومت سے بڑھ کر دنیا میں کوئی متشددانہ اور فسطائی طریقہ ہے یا ہو سکتا ہے۔ اس کا صرف مطلب یہ ہے کہ جو کوئی "جماعتِ اسلامی" کے خود ساختہ قوانین کی پابندی نہیں کریگا اس کو موت کے گھاٹ اتار دیا جائے گا۔ اور یہ کہہ کر کہ یہ " اسلام" سے منحرف ہو گیا تھا۔ کون ہو گا جو کوئی مودودی صاحب کے ان اسلامی احکامات کے خلاف آواز بلند کرے گا۔ جو لوگ اس وقت تحریک مودودی کی مخالفت نہیں کرتے۔ ان کے لئے زبردست لمحہ فکریہ

ہے۔ کیا وہ ایسی حکومت کو پسند کریں گے؟ اگر نہیں تو پھر مسلمانوں کو اس باطل اور گمراہ نظریۂ حیات سے بچانے کے لئے کیوں کوئی سعی عمل میں نہیں لاتے۔ میں انصاف پسند طبائع کے لوگوں سے پوچھتا ہوں کہ مجھے تبلایا جائے کہ مودودی صاحب کا یہ نظریہ اسلامی محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے اسلام کے عین مطابق ہے؟ یاد رہے کہ مودودی صاحب کسی دوسری جگہ یہ واضح کر چکے ہیں کہ ہماری جماعت سے انحراف "ارتداد" ہے چند صالحین کے علاوہ جملہ مسلمان موصوف کے نزدیک مرتدین میں سے ہوں گے۔ خدارا غور کیجئے کہ یہ جماعت تحریک شدھی اور سنگھٹن سے کیا کم ہے؟ آپ نے شروع عبارت کے جملہ پر غور کیا۔ اس میں لکھا ہے کہ "جس علاقے میں اسلامی انقلاب رونما ہو وہاں کی مسلمان آبادی کو نوٹس دیدیا جائے"۔ یہ مسلمان آبادی کو نوٹس کا کیا معنی ہے؟ گذر چکا ہے کہ مودودی صاحب روئے زمین پر اپنے اور چند صالحین کے علاوہ کسی فرد بشر کو مسلمان نہیں سمجھتے۔ اس لئے کہ اُن کے ہاں اسلام لانے کے لئے بہت سی شرائط ہیں جن کا موجود ہونا ایمان و اسلام کے لئے شرط لازم ہے۔ مودودی صاحب اپنی تحریک کے بارے میں لکھتے ہیں "یہ وہ راستہ نہیں جس میں آگے بڑھنا اور پیچھے ہٹنا یکساں ہو۔ یہاں پیچھے کے معنی ارتداد کے ہیں۔ خدا کی طرف سے پیٹھ موڑنے کے ہیں"۔ (جماعت اسلامی کا پہلا اجتماع شعبان ۱۳۶۰ھ ص ۹)

میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ مودودی کے ہاں تحریک مودودی سے ہٹنا "ارتداد" ہے۔ اس کے بعد آپ غور کریں کہ مودودی صاحب کا جب اسلامی انقلاب آئے گا

تو مسلم عوام کا کیا حال ہوگا؟ کیا ایسے انقلاب کے لئے پاکستانی عوام کو اسلام کے نام پر دھوکا نہیں دیا جا رہا۔؟ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تحریک مودودی اور حسن بن صباح کی تحریک دونوں مآل اور طریق کار سے توآمین اور ہم شکل ہیں ان کے ہاں بھی داعی، رفیق، اور فدائی قسم کے درجے تھے اور تحریک مودودی میں بھی۔ متاثرین، متفقین اور ارا کین ہیں۔ اُن کی تحریک میں داخلہ کے لئے بھی مختلف مدارج سے گذرنا پڑتا تھا اور ان کے ہاں بھی تحریک میں شمولیت کے لئے مختلف درجات طے کرنا پڑتے ہیں۔ ان کا طریق کار بھی متشددانہ اور تحریص و تخویف پر مبنی تھا اور ان کے ہاں بھی یہ امور بدرجہ اتم موجود ہیں۔ حسن ابن صباح نے بھی اسلام کا لیبل لگایا تھا اور تحریک مودودی کا نعرہ بھی اسلامی حکومت کا ہے۔ حسن بن صباح نے اپنے مریدوں کو تین گروہوں پر تقسیم کیا ہوا تھا۔ داعی، رفیق، اور فدائی۔ داعی وہ لوگ تھے جو مشنریوں کی طرح دور دراز ممالک میں پھیلے ہوئے تھے اور خفیہ ہی خفیہ لوگوں میں اس کے مذہب کی تبلیغ کرتے۔ شام سے لے کر کرمان تک شاید ہی کوئی شہر ہوگا جہاں حسن ابن صباح کے داعی نہ پھیلے ہوئے ہوں اور ترویج دین کی کوششیں نہ کرتے ہوں۔ رفیق، وہ لوگ تھے جو مذہب میں مجتہدانہ شان رکھتے تھے اور اس کی دینی مجلس کے ارکان و مشیر تھے۔ مگر سب سے نیا اور سب سے زیادہ خطرناک گروہ فدائیوں کا تھا۔ یہ وہ لوگ تھے جنھوں نے حسن بن صباح کو دنیا میں ایک خاص کیریکٹر کا ثابت کیا اور جن کی وجہ سے تمام بادشاہ اور امراء اس کے نام سے کانپتے تھے اس فرقۂ باطنیہ کے

نزدیک مودودی صاحب کی طرح ہر حکم شرعی کا ایک ظاہر ہوتا تھا اور ایک باطن اور ہر حکم قطعی کی ایک تاویل ہوتی تھی۔ یہ ایک ایسا اصول تھا جس کی بنا پر احکام شرعی میں ہر قسم کا تصرف ہو سکتا تھا۔ جیسے مودودی صاحب کے ہاں "ذوق" ہے بہرحال مجھے اس کی تاریخ بیان کرنی مقصود نہیں ہے۔ اہلِ علم جانتے ہیں کہ وہ خود کیا تھا اور اس کا نظام حکومت کیا تھا۔ مجھے اس وقت صرف تحریک مودودی اور تحریک حسن بن صباح کی مماثلت اور مناسبت بیان کرنی ہے۔ لکھا ہے کہ سلطان سنجر نے جب ایک قاصد بھیج کر باطنیہ کے عقائد دریافت کئے تو حسن بن صباح نے لکھا تھا کہ "ہمارا ایمان توحید پر ہے" اور صرف اسی شریعت پر عمل کرنے کو صراطِ مستقیم سمجھتے ہیں جو خدا اور رسول سے ملی ہے، تخلیق عالم، بعث و نشر، جزا و سزا اور قیامت کے متعلق ہم وہ عقیدہ رکھتے ہیں جو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلایا ہے"

اس سے آپ نے اندازہ لگا لیا ہو گا کہ اس نے بھی اپنی تحریک کو اسلامی بنیادوں پر استوار کیا تھا۔ فرقۂ باطنیہ کی پوری حقیقت بڑی بڑی کتابوں میں درج ہے وہاں دیکھ لینی چاہیئے۔ آپ اگر تحریک مودودی کا پس منظر دیکھیں گے تو میرے قول کی تصدیق کریں گے۔ اور یہ جو میں عرض کر رہا ہوں تاریخی اور واقعاتی حقائق ہیں۔ دونوں تحریکوں میں مشترکہ امور پر غور کر کے آپ خود اندازہ لگا سکیں گے۔ کہ یہ دونوں تحریکیں آپس میں کس حد تک ملتی جلتی ہیں اور آخر کو اوّل سے کس قدر مناسبت ہے۔

حضرات علمار کرام نے لکھا ہے کہ "کفر و ارتداد صرف اسی کا نام نہیں کہ کوئی شخص

صاف طور پر خدا کے وجود یا توحید و رسالت کا انکار کر دے یا دوسرا مذہب یہودیت و نصرانیت اختیار کر لے بلکہ اسی طرح یہ بھی کفر ہے کہ اللہ تعالیٰ یا اس کے رسول کے احکام میں سے کسی ایک حکم کا انکار کر دے جو قطعی اور بدیہی طور پر ثابت ہو جن کو اصطلاح میں ضروریات دین کہا جاتا ہے۔ اسی طرح یہ بھی کفر و ارتداد ہے کہ آیت قرآنیہ اور احکامِ اسلامیہ کے ان اجماعی معنی کے خلاف کوئی نئے معنی تجویز کرے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلائے۔ یا صحابہؓ و تابعین کے متفقہ طور پر سمجھے ہوئے ہوں"۔ وہ تحریکیں جو اسلامی نام سے آج تک معرضِ وجود میں آئی ہیں اُن کا آپ اگر پوسٹ مارٹم کریں گے۔ تو لازماً آپ کو ان کے اندر سے کفر، وارتداد اور زندقہ کے جراثیم ملیں گے۔ میں بلاخوف لومتہ لائم یہ عرض کروں گا کہ تحریکِ مودودی اپنے تمام مالہٗ و ماعلیہ کے اعتبار سے انہی تحریکوں میں سے ایک سلجھی ہوئی تحریک ہے۔ اس لئے کہ ہر بعد میں آنے والا اپنے ماقبل کی سیاسی اور مذہبی غلطیوں سے عبرت پکڑ کر اپنی تحریک کو حتی الامکان ان خرابیوں سے بچانے اور محفوظ رکھنے کی کوشش کیا کرتا ہے۔ لیکن خدائی وعدہ سچا ہے کہ باطل کو دوام و ثبات نہیں۔ ایسی تحریکیں اپنے ظاہری اور نمائشی لحاظ سے بہت ہی جاذب قسم کی ہوتی ہیں لیکن ان کا باطن نہایت بھیانک اور دین و مذہب کی روح سے دور ہوتا ہے۔ موجودہ ایوب گورنمنٹ نے تحریک مودودی کو خلاف قانون قرار دے ایک بہت بڑا کارنامہ سرانجام دیا ہے لیکن اگر تحریک کے دوررس نتائج کو بامعان نظر دیکھا جائے تو یہ اس سے بھی زیادہ کی مستحق ہے۔ میرا مطلب یہ ہے

کہ اس تحریک کا بھی وہی حشر ہونا چاہیئے جو مصر میں تحریک اخوان المسلمین کا ہوا تھا تحریک مودودی کا لٹریچر پورے کا پورا ضبط ہونا چاہیئے اور اس تحریک کو کسی بھی رنگ میں ابھرنے کا موقعہ نہیں ملنا چاہیئے۔ مودودی صاحب کے لٹریچر سے مسلمانوں میں انتشار، افتراق اور تشتت پیدا ہوتا ہے۔ اس لئے کہ یہ اس قابل نہیں کہ اس کو مسلمانوں میں تفریق کا باعث بننے دیا جائے اور سیاسی لحاظ سے یہ اسلام کے نام پر حکومت کے خلاف عوام کو بغاوت اور خلاف قانون حرکات پر ابھارنے کا ذریعہ ہے۔ بہر حال تحریکِ مودودی کا لٹریچر مذہبی اور سیاسی دونوں حیثیتوں سے قابلِ ضبط ہے۔ ان کی تحریروں سے اسلام کی صورت مسخ ہو رہی ہے۔ اور عوام میں بغاوت کے جراثیم پھیل رہے ہیں۔ تحریکِ مودودی کی مذہبی اور سیاسی تحریروں کے حوالہ جات گزر چکے ہیں۔ آپ اس سے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ یہ تحریک مسلمانوں کو کہاں لے جا کر پھینکنا چاہتی ہے۔ جماعتوں اور گروہوں میں اختلافات ہوا کرتے ہیں اور ہوتے چلے آرہے ہیں۔ مگر ایسے نہیں جیسے کہ مودودی صاحب کی بے لگام تحریروں سے ظاہر ہوتے ہیں۔ ایک چیز اور واضح کر دوں کہ بعض کہتے ہیں کہ صاحب ہمیں تحریک مودودی سے اختلاف ہے مگر دینی اور سیاسی کام دوسری جماعتوں کے لحاظ سے اچھا کر رہی ہے۔ ایسے نادانوں سے میں یہ عرض کروں گا کہ آپ اسلام اور سیاست دونوں سے نابلد معلوم ہوتے ہیں ورنہ ایسا نہ کہتے۔ آپ نے اسی کتاب میں تحریک مودودی کا دینی رخ اور اس کا سیاسی رخ پڑھ کر اندازہ

نہیں لگایا کہ ہمارا اور ان کا اختلاف نہیں۔ مخالفت ہے۔ اور اصولی اور بنیادی قسم کی سخت مخالفت، لفظ "اختلاف" ہمارے جذبات کی صحیح ترجمانی نہیں کرتا۔ ہمیں تحریک مودودی سے مخالفت ہے اور سخت قسم کی مخالفت ہے۔ ہم اس تحریک کو مذہب اور سیاست دونوں کے لئے سم قاتل سے بھی زیادہ خطرناک سمجھتے ہیں اور بدرجہ مجبوری برداشت کئے ہوئے ہیں۔ ورنہ یہ تحریک اس قابل ہے کہ نہ صرف اس کی جڑیں اکھاڑ دی جائیں بلکہ جڑیں اٹھا کر ان کو سورج کی طرف کرنا بھی لازمی ہے۔ اس لئے کہ یہ اپنی سخت جانی کی وجہ سے ہو سکتا ہے کہ کسی دوسری صورت میں پھر نمودار ہو جائے۔ اور عوام اس کا اسلامی رنگ دیکھ کر پھر مائل ہو جائیں۔ بدیں وجہ اس کا استیصال اور قلع قمع من کل الوجوہ ہونا چاہیئے۔ آپ مودودی صاحب کے درج ذیل خیالات کو عوام کے لئے گمراہ اور انتشار پھیلانے والے نہیں سمجھیں گے ؟۔

"پاکستان میں جمہوری قدروں اور باشندگانِ ملک کے شہری حقوق کے لئے بھی ایک روز افزوں خطرہ مسلم لیگی حکومتوں کی آمرانہ اور متشددانہ پالیسی نے پیدا کر دیا ہے" ترجمان القرآن جولائی ۱۹۵۴ء

"اب جبکہ ہم محسوس کرتے ہیں کہ غنڈہ گردی کی گندگیوں کو ایسی کوششوں کی راہ میں مستقل رکاوٹ بنا دیا گیا ہے جن کا مقصد حکومت کو صالح ہاتھوں میں منتقل کرنا ہو تو ہم بہر حال یہ قربانی بھی دیں گے کہ ان ساری گندگیوں کو برداشت کریں، موجودہ غیر اسلامی اقتدار کو گوارا کرنے کے لئے ہم تیار نہیں ہیں" ترجمان القرآن جولائی، اگست، ستمبر ۵۰ء صفحہ ۲۲۱

"کیا اس دستور کو کسی معنی میں بھی ایک جمہوری دستور کہا جا سکتا ہے۔ دراصل یہ نہ پارلیمانی جمہوریت ہے۔ اور نہ صدارتی جمہوریت۔ یہ جمہوریت کے نام سے ایک آمریت ہے جو اس دستور کے ذریعہ سے اس ملک میں قائم کی گئی ہے" ترجمان مارچ ۱۹۶۳ء ص ۴۶

یہ عبارتیں اپنے مفہوم اور معنی کے لحاظ سے اتنی واضح ہیں کہ مزید تشریح کی محتاج نہیں ہیں۔ آخر ایسے خیالات کے اظہار سے مودودی صاحب کا مقصد کیا ہے؟ کہا جا سکتا ہے کہ یہ جمہوری ملکوں میں آزادیٔ رائے کا ہر شخص کو حق حاصل ہے۔ یہ بالکل ٹھیک ہے۔ مجھے اس سے کوئی اختلاف نہیں ہے۔ مگر آپ نے مودودی صاحب کے طرز ادائیگی کا لب و لہجہ ملاحظہ فرمایا۔ آزادیٔ رائے کے معنی کو اگر آپ اتنا وسیع سمجھیں گے تو "بغاوت کے مفہوم کو بدلنا پڑے گا۔ اور پھر ہر شخص کو ایسی آزادی رائے کا سرٹیفکیٹ دے کر آپ حکومت کرنے سے باز رہیے پھر آئینی حکومت کے خلاف جو کچھ کسی کا دل چاہے گا کہہ ڈالے گا اور نام ہوگا آزادیٔ رائے آپ ان الفاظ پر غور کریں "موجودہ غیر اسلامی اقتدار کو گوارا کرنے کے لئے ہم تیار نہیں ہیں" یہ آزادیٔ رائے کی کونسی قسم ہے؟ اور پھر مودودی صاحب اور اس کے صالحین۔ ایسے ہی مرد مجاہد تھے تو انھوں نے انگریزی حکومت کے خلاف ایسے یا اس سے ملتے جلتے الفاظ کیوں استعمال نہ کئے۔ کیا خدانخواستہ موجودہ حکومت انگریز کی حکومت سے بھی بدتر ہے بہر حال میں نے جو سمجھا ہے آپ کے سامنے رکھ دیا ہے۔ آپ خود فیصلہ کریں کہ میرا خیال صحیح ہے یا نہیں۔ یاد رہے کہ حکومت اپنے معاملات کو خود سمجھتی ہے۔ میں ان خیالات کے ذریعہ حکومت کو کوئی مشورہ یا رائے نہیں دے رہا۔ یہ میرے اپنے خیالات اور جذبات ہیں

جن کو میں ظاہر کرنے پر اپنے آپ کو مجبور پاتا ہوں اور اس کے چند وجوہات بھی ہیں بعض کو تو بندہ نے اسی کتاب میں ذکر کر دیا ہے۔ اور بعض کو کسی دوسری صحبت کے لئے اٹھا رکھا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا اور حالات نے مساعدت کی تو ان تمام وجوہات کو تمام و کمال بیان کر دیا جائے گا۔ بہر کیف میں آپ کو کہاں سے کہاں لے آیا۔ غالباً آپ کو یاد ہوگا کہ بات مودودی صاحب کے "اسلامی انقلاب" اور مسلمانوں کو نوٹس دینے کی ہو رہی تھی۔ اور مودودی صاحب کے اس نوٹس والی بات نے اشہب قلم کو ایسا مہمیز لگایا کہ وہ بلا رکے یہاں تک پہونچ گیا۔ بات ہی کچھ ایسی تھی جس کی وجہ سے ذرا تفصیل بیان کی گئی۔ آپ کے ملول ہونے کا اگر خوف نہ ہوتا تو یقین جانئے اس سے بھی زیادہ تفصیل سے عرض کرتا اور دلائل کے ساتھ۔ اب اسی پر اکتفا کی جاتی ہے۔ اس لئے کہ طالب حق کے لئے اتنا ہی کافی ہے۔

آخری گذارش

متذکرہ توضیحات سے یہ امر بخوبی واضح ہوگیا کہ مودودی صاحب بجز اس حکومت کے جسے ان کی اپنی پارٹی قایم کرے کسی حکومت کو اسلامی تصور کرنے کے لئے تیار نہیں اور نہ ہی اس حکومت کے نافذ کردہ قوانین ، کو اسلامی قوانین قرار دینے پر آمادہ ۔

حکومت تو ایک طرف ، اس باب میں انہوں نے باقی ارباب شریعت کے مقابلہ میں بھی اپنے آپ کو منفرد قرار دے رکھا ہے ۔ اور بہت جلد ملت اسلامیہ کے قلوب سے روح اسلام نکال دینا چاہتے ہیں ۔ ان کے خیالات کا تجزیہ اس طرح کیا جاسکتا ہے ۔

۱۔ اللہ تعالیٰ کی قایم کردہ حدود کو توڑے ۔

۲۔ سرور کائنات رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی واضح پیشین گوئی کی تکذیب وتذلیل کرے ۔ ۳۔ رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کردہ آیات قرآنی کے واضح ترین مطالب و معانی کے خلاف اپنی من گھڑت تفسیر کو رواج دے ۔ ۴۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی بیان کردہ تفسیر کو لغو اور لایعنی اور ناقابل تسلیم قرار دے اور ثابت کرے کہ کوئی صحابی معیار حق نہیں ۔ ۵۔ خانہ کعبہ اور حرم پاک کے

مقدس و مطہر ماحول کی شرمناک اور غیر مہذب الفاظ میں توہین کرے ۔ ۶۔ امام مہدی علیہ السلام کے متعلق سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان کردہ متعدد روایات کو غلط قرار دے کر فتنۂ انکار حدیث کی بالواسطہ تائید و اعانت کرے ۔ ۷۔ بخاری شریف اور دیگر کتب احادیث کے مقدس ذخیروں کو قطعی صحیح قرار دینے والے بزرگوں کو رذیل اور کمینہ ثابت کرے ۸۔ قرآن اور سنّت کی تعلیم کے لئے تمام سابقہ تفسیروں اور احادیث کے مجموعوں کو ناقابل اعتبار اور بے کار قرار دے ۔ ۹۔ اپنی تمام علمیت اور قابلیت اور صلاحیت صرف کرکے سلف صالحین کے خلاف نفرت وحقارت کے بیج بوئے ۔ ۱۰۔ ارکان اسلام کو حقیقی معنی میں اسلام کے ارکان تسلیم نہ کرے اور ارکان خمسہ کے عقیدے کو مستقل غلط فہمی مبتلا کرے ۱۱۔ ائمہ دین اور مجتہدین کرام کی پیروی سے ہٹ کر نصرانیت کی تقلید اختیار کرے ۔ ۱۲۔ علمائے حق اور ملّت اسلامیہ کے سچے جاں نثاروں کے خلاف زہر افشانی کرکے عوام و خواص کی نگاہوں میں انہیں حقیر ثابت کرنے کی ذلیل کوشش کرے ۔ ۱۳۔ میدان سیاست کا رہبر اور امیر سیاست بننے اور اقتدار حاصل کرنے کی اوچھی اور نکمی قسم کی قابل لعنت کوششوں میں عقل وشعور کھو بیٹھے دین و ایمان ہار دینے ، بازار سیاست میں ضمیر فروشی کرکے اپنی اور اپنے شرمیلے جماعتیوں کی منظر عام پر ناک کٹوا دینے پر فخر

کرے اندریں حالات کیوں کر اور کس طرح مودودی صاحب کو دین محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا علم بردار اور رہنمائے دین یا قابل اعتماد سیاست داں لیڈر سمجھا جا سکتا ہے ؟

یہ بات سب کو معلوم ہے۔ کہ ماضی قریب میں متحدہ ہندوستان میں خدمت ملک وملت کی دو تحریکیں اٹھیں۔ ایک انگریز کو ہندوستان سے نکالنے کی اور دوسری حصول پاکستان کی جہاں تک ترتیب ہماری رہنمائی کرتی ہے۔ ہم پورے وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ ان دونوں عظیم تحریکوں میں ان علمار نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ جن کو آج مودودی صاحب عوام سے لاتعلق اور پرانے طرز فکر کے لوگ قرار دیتے ہیں۔ انگریز کو ہندوستان سے نکالنے کے لئے ان علمار نے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا۔ اور اس سلسلہ میں سخت سے سخت مصائب ومشکلات کا مقابلہ کیا اور بحمد اللہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب رہے اسی طرح حصول پاکستان کی تحریک میں علمار نے سعی وہمت کے تمام قافلے میدان عمل میں جھونک دیئے۔ ماضی کے واقعات کو اپنے سامنے رکھیئے۔ اور ان دونوں تحریکوں میں حصہ لینے والوں کی طویل قطار کو خوب غور سے دیکھئے آپ کو اس میں علما کی کثیر تعداد نمایاں جگہ پر کھڑی نظر آئے گی یہ معلوم ہے یہ کون علمار ہیں۔ وہی جن کی مساعی تہذیب وتمدن، علم اور ثقافت کو آج مودودی صاحب اس زمانہ کے یکسر منافی قرار دے رہے ہیں۔ اب آپ